ماہنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
june 2021
Organisation of Islamic Cooperation

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد
مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ
مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 41 No. 08 June 2021
Shawwal/ Dhul Qadah 1442 AH
جلد: 41 شمارہ: 08 جون 2021ء
شوال، ذوالقعدہ 1442ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

فلسطین، فلسطین، فلسطین۔ اگر دیکھا جائے کہ گزشتہ دو تین ہفتوں میں عالمی سطح پر کس لفظ کا استعمال سب سے زیادہ ہوتا رہا ہے، تو بلاشبہ لفظ فلسطین ہی سرفہرست ہو گا۔ کیوں نہیں؟ اس وقت امریکہ، یورپ سمیت دنیا کے مختلف ممالک کی عام شاہراہوں پر فلسطین کے مظلوم، مقہور اور بے کس مسلمانوں کی حمایت اور ان کے ساتھ یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جم غفیر امنڈ پڑا ہے۔ اس کو کسی خاص ملک کی حمایت حاصل ہے نہ ہی کسی حکومت کی سرپرستی، یہ ان عوام الناس کے دلوں سے اٹھنے والی صدا ہے جو انسانیت کے ہمدرد ہیں، مظلوم کا ساتھ دینا چاہتے ہیں اور ظالم کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شہروں کی عام شاہراہیں ان کے اس درد بھرے پیغام کو عام کرنے کا بہترین ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ نیز جہاں حکومت کی سرپرستی میں چلنے والا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا 24 گھنٹے ظالم کے ہاتھ مضبوط کرنے میں مصروف ہے۔ اس سے کہیں زیادہ مؤثر اور فعال سوشل میڈیا فلسطینیوں پر ظلم وجبر سے بھری خونچکاں داستانیں سنا رہا ہے۔ یقیناً حالات بدل رہے ہیں کہ امریکی سینٹ کے در و دیوار بھی فلسطین کے حق میں لگائے جانے والے نعروں سے گونج رہے ہیں۔ سابق اسرائیلی فوجی جوان بھی اسرائیلی مظالم کے راز فاش کرتے اور اعتراف جرم کرتے ہوئے اسرائیلی حکومت کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ لندن اور نیویارک کی سڑکوں پر منصف مزاج یہودیوں کی ایک بڑی تعداد حق کا ساتھ دینے والوں کے شانہ بشانہ فلسطین کی حمایت میں آ کھڑی ہے۔ ظلم کی ایک انتہا ہوتی ہے۔

ظلم جب بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

گزشتہ ستر سالوں سے لگاتار فلسطینی مسلمان اسرائیلی بربریت، ظلم وستم اور قتل وغارت گری کا شکار چلے آ رہے ہیں۔ مگر اب حالات کی تبدیلی نوشتہ دیوار بن چکی ہے۔ یقیناً لمحات قریب آ چکے ہیں۔

جب ظلم وستم کے کوہ گراں
روئی کی طرح اڑ جائیں گے

دنیا کے بیشتر ملکوں میں فلسطین کے حق میں اٹھنے والی آواز محض زبان خلق نہیں بلکہ نقارہ خدا بن کر امت کو بیدار کر رہی ہے کہ فلسطین کی بازیابی اور ارض مقدسہ کی آزادی کے لیے اپنا کردار ادا کرے، جو کہ ناممکن نہیں۔ بشرطیکہ امت مسلمہ اولاً اپنی فکر اور کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالے، اپنے قبلہ کو درست سمت دے۔ اغیار پر تکیہ کرنے کے بجائے محض اسلام پر کامل یقین کے ساتھ آگے بڑھے۔ فقیہ الامہ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "مسلمانوں نے اپنے دور زریں میں فلسطین، مدائن اور روم کو اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔ اے کاش آج ہمارے نوجوان اس حقیقت کا ادراک کر لیتے کہ حقیقی کامیابی محض مسلم شناختی کارڈ کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ حقیقی اسلام پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

محض عروبہ کی بنیاد پر فلسطین کی بازیابی خام خیالی ہے، اس کا واحد ذریعہ وہ حقیقی اسلام ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے۔ ہمارے مذمتی بیانات اور اجتماعی نعرے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تاوقتیکہ ہم اسلام کو اپنے اوپر نافذ نہ کر لیں۔

فرمانِ الٰہی ہے کہ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (سورۃ الأنبیاء:105)

"ہم نے زبور میں پند ونصائح کے بعد واضح طور پر لکھ دیا ہے، کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہیں۔"

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں میں جب تک صالحیت کا عنصر باقی رہا۔ کامیابی اور اقتدار ان کے قدم چومتی رہی۔ جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روگردانی کی، اقتدار، سطوت، تمکین فی الارض اور سرخروئی سے محروم کر دیے گئے۔ اپنے اندر صالحیت کو فروغ دیجیے، کسی محنت مشقت اور جدوجہد کے بغیر آپ بآسانی اس سرزمین کے وارث قرار دیے جائیں گے۔

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نصیحت بھی مسئلہ فلسطین کے واضح حل کی نشاندہی کرتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ

"مسئلہ فلسطین اول و آخر خالص اسلامی مسئلہ ہے۔ جس کو دشمنان اسلام نے پوری عیاری کے ساتھ عربیت کا لبادہ پہنانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ وہ تقریباً اس کوشش میں کسی قدر کامیاب بھی ہو گئے، میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کا واحد حل یہی ہے کہ اس کو خالص اسلامی مسئلہ سمجھا جائے اور اسی بنیاد پر امت میں اتحاد واتفاق کو فروغ دیا جائے۔

ثانیاً: تمام مسلمانوں، خصوصاً فلسطینی مسلمانوں کو ان عناصر سے چوکنا رہنے کی اشد ضرورت ہے جو مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی بے لوث اور اخلاص پر مبنی قربانیوں کو رائیگاں کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو ہماری آستین کے سانپ ثابت ہو رہے ہیں اور وہ بھی ہیں کہ مسجد اقصیٰ کی آزادی کے حوالے سے جن کے روابط ان عناصر کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جا رہے ہیں، جو مسجد اقصیٰ کے وجود کے ہی منکر ہیں اور جن کی تاریخ امت کے ساتھ غداری، دھوکہ بازی اور بغاوت سے بھری پڑی ہے۔

قارئین کرام اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ غزہ کے رہائشی علاقوں پر اسرائیلی جنگی طیاروں کی وحشیانہ بمباری کا اسرائیل کو کس نے موقع فراہم کیا، جس میں 252 مسلمان مرد و خواتین اور معصوم بچے بھی شہید کر دیے گئے۔

ان فلسطینی مسلمانوں نے نہیں جو مشرقی یروشلم میں مسجد اقصیٰ کے گراؤنڈ پر شیخ جراح پر اسرائیل کے ناجائز قبضہ کی کوشش پر برافروختہ ہو کر احتجاج کر رہے تھے، جن کا اسرائیلی مسلح افواج کے کمانڈروں نے مسجد اقصیٰ تک پیچھا کیا اور مسجد اقصیٰ میں عبادت میں مصروف مسلمانوں پر گولیاں برسائیں اور مسجد اقصیٰ کے تقدس کو پامال کیا۔

اس وحشیانہ بمباری کی وجہ محدود رینج کے وہ راکٹ تھے جو غزہ کے اسرائیلی علاقے میں فائر کیے گئے جن کا نقصان تو حسب سابق انتہائی محدود رہا، مگر اسرائیل نے اس بہانے 252 مسلمانوں کو شہید کر دیا۔

ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو ان کے گھروں سے محروم کر دیا گیا۔ اس سے کہیں زیادہ اہم یہ ہے کہ محض ان چند راکٹوں کی وجہ سے ساری دنیا کی ہمدردیاں اسرائیل کے حق میں ہو گئیں اور فلسطینی مسلمانوں کو ملزمان کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا۔ اس قدر جانی، مالی اور نفسیاتی نقصان کے باوجود جب جنگ بندی کا اعلان کیا گیا تو غزہ میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں، خوشی کے شادیانے بجائے گئے، اسرائیل پر فتح کی خوشخبریاں دی گئیں۔

یہ کس قسم کی فتح ہے کہ جس میں 250 سے زائد مسلمان شہید، ہزاروں سخت زخمی اور لاکھوں بے گھر اور بے آسرا بنا دیے گئے۔ سینکڑوں رہائشی عمارتیں زمین بوس کر دی گئیں اور پھر اسرائیل کی یک طرفہ ظلم و زیادتی کو دو طرفہ جنگ کے طور پر تسلیم کر لیا گیا، یہ کس قسم کی جنگ تھی کہ ایک جانب جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج ظفر موج ہے اور دوسری جانب نہتے فلسطینی لٹے پٹے مسلمان جو لمحہ لمحہ مر مر کر جی رہے ہیں جن کی اپنی نگاہوں کے سامنے ان کے جگر گوشوں کو گولیوں سے بھونا جا رہا ہے۔ جنازوں کی قطار لگی ہوئی ہے۔ یہ جنگ نہیں بلکہ جنگ کے نام پر ایک دھوکہ ہے۔

غزہ سے راکٹوں کا فائر کیا جانا پھر اسرائیلی بمبار جہازوں کا رہائشی علاقوں میں لگاتار حملے اور پھر مختلف گوشوں سے خلیجی ممالک خصوصاً سعودی عرب پر لعن طعن کا سلسلہ، اس پر الزامات کی بھرمار اور اسی بہانے کچھ اور گروپس کی تعریفوں کے پل باندھنا اور پھر جنگ بندی اور مصالحت کا اعلان۔ یہ سلسلہ پچھلے کئی سالوں سے اسی ترتیب سے جاری ہے۔ جب کہ سعودی عرب کی فلسطینی کاز کے لیے خدمات کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، فلسطین کی آزادی کا مسئلہ ہمیشہ اس کی ترجیحات میں شامل ہے۔ اس حوالے سے وہ دامے درمے اور سخنے ہر قسم کا بیش بہا تعاون فراہم کرتا رہا ہے۔ آج بھی سعودی عرب کا شمار فلسطین کے ان دوستوں میں کیا جاتا ہے جو پورے اخلاص اور محبت کے ساتھ فلسطینیوں کو ان کے حقوق دلوانے کی انتہائی سنجیدہ اور مضبوط بنیادوں پر کوششیں کر رہے ہیں۔ بہر حال موجودہ حالات میں امت مسلمہ کو اپنوں اور غیروں کا فرق روا رکھنا ہو گا اور فلسطین کی آزادی کو اسلام کی بنیادوں کے ساتھ جوڑنا ہو گا۔ وما علینا إلا البلاغ

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خاک صحرا پہ جمے یا کف قاتل پہ جمے
تیغ بیداد پہ یا لاشۂ بسمل پہ جمے
لاکھ بیٹھے کوئی چھپ چھپ کے کمیں گاہوں میں
سازشیں لاکھ اڑاتی رہیں ظلمت کی نقاب
ظلم کی قسمت ناکارہ و رسوا سے کہو
محمل مجلس اقوام کی لیلیٰ سے کہو
شعلۂ تند ہے خرمن پہ لپک سکتا ہے
آج وہ کوچہ و بازار میں آ نکلا ہے
خون چلتا ہے تو رکتا نہیں سنگینوں سے
ظلم کی بات ہی کیا ظلم کی اوقات ہی کیا
خون پھر خون ہے سو شکل بدل سکتا ہے
ایسے شعلے کہ بجھاؤ تو بجھائے نہ بنے

خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا
فرق انصاف پہ یا پائے سلاسل پہ جمے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا
خون خود دیتا ہے جلادوں کے مسکن کا سراغ
لے کے ہر بوند نکلتی ہے ہتھیلی پہ چراغ
جبر کی حکمت پرکار کے ایما سے کہو
خون دیوانہ ہے دامن پہ لپک سکتا ہے
تم نے جس خون کو مقتل میں دبانا چاہا
کہیں شعلہ کہیں نعرہ کہیں پتھر بن کر
سر اٹھاتا ہے تو دبتا نہیں آئینوں سے
ظلم بس ظلم ہے آغاز سے انجام تلک
ایسی شکلیں کہ مٹاؤ تو مٹائے نہ بنے
ایسے نعرے کہ دباؤ تو دبائے نہ بنے

ساحر لدھیانوی

ہر قسم کی حمد و ثناء کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جو زمین و آسمان کا رب ہے۔ وہی دعائیں سننے والا اور انعام و احسان کرنے والا ہے، وہی ہے جو مصائب و مشکلات کو رفع کرتا ہے۔ میں اپنے رب کی حمد کرتا اور اس کا شکر بجا لاتا ہوں، اسی کی طرف رجوع کرتا اور اسی سے مغفرت کا خواستگار ہوتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں وہ عزت و کبریائی والا ہے، میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے پیارے سردار نبی حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی ہی روشن اور کامل شریعت عطا کر کے مبعوث فرمایا ہے۔ اے اللہ! اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر رحمت، سلامتی اور برکت نازل فرما۔ اسی طرح آپ ﷺ کی آل اور ہر نیک عمل کی طرف سبقت لے جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی اپنی رحمت و برکت نازل فرما۔

اما بعد، اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے کما حقہ ڈرتے رہو، تقویٰ اختیار کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں خیر و بھلائی عطا کرتا ہے اور تقویٰ سے روگردانی کرنے والا شخص اگرچہ دنیاوی مال و متاع بے شمار میسر رکھتا ہو، لیکن انجام کار کے اعتبار سے بد بخت ہی رہتا ہے۔

اے مسلمانو! دنیا اور آخرت کی سعادت و خوش بختی کے اسباب و وسائل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اسی طرح اس نے بد بختی کا سبب بننے والے اعمال کو بھی خوب وضاحت سے بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ جو شخص خیر و فلاح کے اسباب اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا بھی سدھار دیتا ہے اور اسے آخرت میں بھی، اتنا شاندار نتیجہ نصیب ہو گا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نعمت بھرے باغات میں ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اسے بدرجہ اتم حاصل ہو گی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ "نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔" (سورۃ الرحمن:60)

دوسری طرف برائی کے اسباب اپنانے والے شخص کو اس دنیا میں بھی اس کی سزا بھگتنا پڑے گی اور مرنے کے بعد بھی اس کا وبال اس پر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾

"انجام نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا۔" (سورۃ النساء:123)

آگاہ رہیے! خیر و برکت، نیکی، اصلاح، نیک اعمال کے تسلسل، اچانک مصیبتوں اور حادثات سے بچاؤ اور نازل شدہ تکالیف و آلام کو رفع کرنے کے اسباب میں سے ایک اہم ترین سبب یہ ہے کہ مکمل اخلاص، حضورِ قلبی اور عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دعا بہت پسند ہے اور اس نے خود ہی اس کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ ہر طرح کے حالات میں دعا کا فائدہ مسلمہ ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾

"تمہارا رب کہتا ہے، مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔" (سورۃ غافر:60)

دعا بھی عبادت کی ایک قسم ہے، سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں حدیث ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ "دعا عین عبادت ہے۔" امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو "حسن صحیح" قرار دیا ہے۔ اسی طرح جامع ترمذی میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کا مقام و مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔" امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہر وقت اور ہر حال میں دعا کرنے کی بہت زیادہ ترغیب دلائی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کا ثواب اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم کر رکھا ہے۔

دعا انسان کی دینی دنیوی، زندگی اور موت کی تمام کامیابیوں کا بہترین ذریعہ ہے۔ دعا کے بے شمار اور عظیم فوائد کے پیش نظر ہی اللہ تعالیٰ نے فرض عبادات میں دعاؤں کو پڑھنا واجب یا مستحب قرار دیا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر رحمت و شفقت، فضل اور احسان واضح طور پر عیاں ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ان اسباب کے بارے میں تعلیمات نہ دیتا تو ہم اپنی عقل و دانست سے یہ اسباب اختیار نہ کر سکتے تھے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُوا أَنتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ﴾

”تمہیں وہ کچھ سکھا دیا گیا ہے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔“(سورۃ الانعام:91)
ہر قسم کی بابرکت حمد وثناء اور تعریف و تمجید کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اپنی پسند اور رضا کے شایانِ شان ہر قسم کی حمد وثناء اور بابرکات کلمات کا حق دار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔
عصرِ حاضر میں تو بالخصوص دعا کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جارہی ہے، کیونکہ نت نئے فتنے سر اٹھارہے ہیں، تباہ کن حادثات اور مصائب نے مسلمانوں کو پریشان کرر کھا ہے اور ایسے ایسے بدعتی فرقوں نے جنم لے لیا ہے کہ جو مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔لوگوں کا ناحق خون بہانا اور ان کے مال ہڑپ کرنا ان کی عادت بن چکی ہے۔ علم اور اہل علم سے بے رخی ان کی سرشت میں ہے اور جہالت و گمراہی پر مبنی فتوے دے کر لوگوں کو گمراہ کرنا ان کا وتیرہ ہے۔
دشمنانِ اسلام نے دین حنیف کے خلاف اتحاد کر لیا ہے، اہل ایمان کے خلاف ان کی سازشیں عروج پر ہیں، جبکہ مسلمانوں کی باہمی کیفیت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تعاون سے کنارہ کشی اور اختلاف و افتراق کا شکار ہیں، امت مسلمہ کے بہت سارے افراد جلاوطنی کی صعوبتوں سے دوچار ہیں۔ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ اپنی فراخی کے باوجود ان پر زمین تنگ ہو چکی ہے اور انہیں طرح طرح کے نقصانات کا سامنا ہے۔
ان تمام حالات میں تو دعا کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، کیونکہ تعصب اور فرقہ پرستی کی آگ نے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور مختلف فتنے معاشرے کو اپنے مضبوط پنجوں میں جکڑ چکے ہیں۔ جو لوگ مصیبت او رسخت حالات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے، سیدنا آدم اور اماں جی حواء علیہما السلام کا قول اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾
”اے رب، ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔“(سورۃ الاعراف:23)
اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝١٥٥ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝١٥٦ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾
”اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان ومال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے ،اِن حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ ”ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔انہیں خوش خبری دے دو ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں۔“ (سورۃ البقرۃ:157-155)
سیدنا یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾
”آخر کو اُس نے تاریکیوں میں پکارا، ”نہیں ہے کوئی معبود مگر تُو، پاک ہے تیری ذات، بے شک میں نے قصور کیا۔“(سورۃ الانبیاء:87)
مسند احمد اور جامع ترمذی میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مچھلی کے پیٹ میں سیدنا یونس علیہ السلام نے جو دعا کی تھی، ان کلمات کے ذریعے سے اگر کوئی بھی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔(امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو ثقیف قبیلے کو اسلام کی دعوت دی تو ان بدبختوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی سنگ باری کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیاں مبارک لہو لہان ہو گئیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے جو جملے ارشاد فرمائے، وہ کچھ یوں تھے:
”اے اللہ! اپنی کمزوری، بے کسی اور لوگوں کے ہاں اپنی کم مائیگی کا شکوہ میں تجھ سے ہی کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ کسی ترش رو دور والے کے حوالے کرے گا یا حملہ آور دشمن کے سپرد؟ اگر تو مجھ پر ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے، تیری عافیت میرے لیے سب سے وسیع اور کشادہ چیز ہے، تیرے چہرے کے نور نے سارے اندھیرے ختم کر دیئے ہیں اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا مدار اسی پر ہے، میں تیرے چہرے کے اسی نور کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ مجھے تیرا غصہ یا ناراضگی پہنچے، میں تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف تو ہی بخشتا ہے۔“
اگر مشکلات اور مصائب کو دور کرنے میں کوئی ناکام رہے تو کم از کم دعا کے ذریعے ان مصائب کی سختی کی شدت کو کم تو کیا جاسکتا ہے، صحیح ابن حبان میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”دعا میں اتنی طاقت ہے کہ یہ تقدیر کو بھی بدل سکتی ہے، نیکی سے انسان کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اپنے گناہ کی بدولت انسان کو رزق سے محرومی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔“ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”پہلے سے اتری مصیبتیں ہوں یا آئندہ آنے

والی آفت ہو، ہر دو حالتوں میں دعا بڑی ہی فائدہ مند ہوتی ہے، چنانچہ اے اللہ کے بندو! دعا کیا کرو۔"

بخاری اور مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بارے میں میرا بندہ جیسا گمان کرتا ہے، مجھے ویسا ہی پاتا ہے، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو مجھے اپنے ساتھ پاتا ہے۔"

دعا کی یہی فضیلت کافی ہے کہ دعا کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ مصائب، فتنوں اور مشکلات کے وقت بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ﴾

"اِن کا حال تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں تکلیف میں مبتلا کیا، پھر بھی یہ اپنے رب کے آگے نہ جھکے اور نہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔"(سورۃ المومنون:76)

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

"تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور اُن قوموں کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔ پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی؟ مگر ان کے دل تو اور سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب کر رہے ہو۔"(سورۃ الانعام:42-43)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ﴾

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اُس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اتر آئیں۔"(سورۃ الاعراف:94)

مشکل حالات کے باوجود دعا ترک کرنے کا مطلب ہے کہ انسان گناہوں پر اصرار کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت کو کوئی وقعت نہیں دے رہا، جبکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:﴿ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ "درحقیقت تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔"(سورۃ البروج:12)

نیز فرمایا:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ "اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔"(سورۃ ھود:102)

خیر و برکات کے حصول، دعا کرنے والے اور معاشرے کو برائی اور نقصان سے بچانے کا بہترین ذریعہ دعا ہی ہے۔

نازل شدہ مصیبت اور مشکلات سے نکلنے کا سب سے زبردست ذریعہ دعا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ ۖ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ﴾

"اور یہی (ہوش مندی اور حکم و علم کی نعمت) ہم نے ایوب علیہ السلام کو دی تھی یاد کرو، جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے، ہم نے اس کی دُعا قبول کی اور جو تکلیف اُسے تھی اس کو دُور کر دیا، اور صرف اس کے اہل و عیال ہی اس کو نہیں دیے بلکہ ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیے، اپنی خاص رحمت کے طور پر، اور اس لیے کہ یہ ایک سبق ہو عبادت گزاروں کے لیے۔"(سورۃ الانبیاء:83-84)

اسی طرح اللہ کا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ﴾

"کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پکارے۔"(سورۃ النمل:62)

یعنی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾

"صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا، گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟"(سورۃ الانعام:63)

تمام معاملات کی اصلاح احوال کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں، اپنی ضروریات اور حاجات اسی کے سامنے پیش کرے، اپنی ہر ضرورت کا اسی سے سوال کرے اور یاد رہنا چاہیے کہ انسان کی سب سے بڑی مطلوبہ ترین چیز جنت کا حصول اور جہنم سے نجات ہے۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوائے ان کے جنہیں میں ہدایت عطا کروں، چنانچہ مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت عطا کروں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے ان کے جنہیں میں کھلا دوں، چنانچہ تم مجھ سے کھانا طلب کیا کرو، میں تمہیں کھانا عطا کروں گا۔ اے میرے بندو! تم سب لباس سے محروم ہو سوائے

ان کے جنہیں میں لباس عطا کر دوں، چنانچہ تم مجھ سے لباس مانگو، میں تمہیں پہننے کے لیے لباس عطا کروں گا۔ اے میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرتے ہو اور میں سارے گناہ معاف کر دیتا ہوں، چنانچہ مجھ سے مغفرت طلب کیا کرو تاکہ میں تمہیں بخش دوں۔“

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے فرماتا ہے کہ، ہدایت، کھانے، لباس اور مغفرت کا سوال تم مجھ سے ہی کرو۔“

اے اللہ! ہمیں ہدایت عطا فرما، ہمیں کھانا نصیب فرما، ہمیں لباس عطا فرما اور اے ارحم الراحمین، ہمیں بخش دے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان کو اپنی ضرورت کی ہر چیز اپنے رب سے ہی مانگنی چاہیے یہاں تک کہ وہ اپنے جوتے کا تسمہ اور کھانے کا نمک بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے۔

کتنی ہی دعائیں ہیں کہ جنہوں نے تاریخ انسانی کو برائی سے اچھائی اور خوب سے خوب تر کی راہ پر گامزن کر دیا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

”اور اے رب، ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔“(سورۃالبقرۃ:129)

مسند احمد میں سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: ”آپ کے نبوت والے معاملے کا آغاز کیسے ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں اپنے باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی خوش خبری کا نتیجہ ہوں اور میری والدہ ماجدہ نے خواب دیکھا کہ ان سے ایسا نور پھوٹا کہ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔“

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا توحید پرستوں اور ایمان والوں کے لیے باعث خیر و نجات جبکہ مشرکین کے لیے باعث شر اور ہلاکت تھی۔ آخری زمانے میں جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہِ طور پر گھیر لیے جائیں گے۔ تب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے جو دعا فرمائیں گے وہ دعا مسلمانوں کے لیے نصرت و مدد کا ذریعہ جبکہ ٹڈیوں کی طرح پھیلے ہوئے یاجوج ماجوج کے لیے تباہی اور بربادی کا سبب ہو گی۔ اپنی خلقت اور عادات کے لحاظ سے یاجوج وماجوج بدترین مخلوق ہے اور سب سے زیادہ فساد پھیلانے والی طاقتور اور سرکش جماعت ہے۔

صحیح مسلم میں سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں دجال ہلاک ہو چکا ہو گا جو کہ زمین میں فساد بپا کیے ہوئے ہو گا، تب، ”اللہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائے گا کہ میں نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے کہ ان سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے، چنانچہ میرے بندوں کو بحفاظت طور پہاڑ پر جمع کر لیں، اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا کہ وہ ہر بلند جگہ سے دوڑتے ہوئے اتریں گے۔ چنانچہ ان کا پہلا قافلہ بحیرۃ طبریہ (جھیل گنیسرت) سے گزرتے ہوئے اس کا سارا پانی پی جائے گا اور بعد والا قافلہ اس سمندر سے گزرتے ہوئے کہے گا کہ لگتا ہے یہاں کبھی پانی ہوتا ہو گا، اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی طور پر گھرے ہوں گے، نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ ان کے ہاں ایک بیل کی سری، موجودہ دور کے ایک سو دینار سے زیادہ بہتر قرار پائے گی، چنانچہ ان مشکل حالات میں سیدنا عیسیٰ اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے اور اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کی گردنوں میں ایسے کیڑے ڈال دے گا کہ وہ یکبارگی مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ کے نبی اور ان کے ساتھی نیچے زمین پر اتر آئیں گے اور یاجوج وماجوج کی سڑانڈ، بدبو اور تعفن سے زمین اٹی پڑی ہو گی اور ان کی لاشیں ایسے بکھری ہوں گی کہ بالشت بھر زمین بھی خالی نہیں ملے گی۔ یہ کیفیت دیکھ کر اللہ کے نبی اور ان کے ساتھی دوبارہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خراسانی اونٹوں کی گردنوں جتنے بڑے پرندے بھیجے گا جو یاجوج ماجوج کے مردہ جسموں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۔“

میدانِ بدر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ نے جس عاجزی اور انکساری سے اللہ سے دعا مانگی تھی، اس نے ہمیشہ کے لیے اسلام کو نصرت جبکہ کفر کو دائمی رسوائی اور شکست عطا کی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾

”اور وہ موقع یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔“(سورۃالانفال:9)

میدانِ بدر میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اتنی گڑگڑا کر دعا مانگی کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک سرک گئی، اسی حالت میں پیچھے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لپٹ کر فرمایا: اے اللہ کے رسول! اب بس کیجیے، اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ نے جس انداز میں دعا فرمائی ہے، اب اللہ آپ کو بالیقین فتح نصیب فرمائے گا۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابو بکر خوش ہو جاؤ، دیکھو کہ جبریل امین آئے ہیں اور فرشتوں کی باقاعدہ صف بندی کر رہے ہیں اور ان کے سامنے والے دانتوں پر گرد چمک رہی ہے۔“

آپ ﷺ سے قبل کسی بھی نبی کے شانہ بشانہ کبھی فرشتوں نے جہاد میں حصہ نہیں لیا، آپ ﷺ کے فضل و کمال، قوتِ یقین اور مضبوط توکل اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمال اخلاص کی بدولت یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے صرف رسول اللہ ﷺ ہی کو عطا فرمایا۔

حق کی نصرت اور باطل کی بربادی کی دعا کرنا ایک طرح سے اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، رسول، ائمہ اسلام اور عوام الناس سے خیر خواہی ہی ہے۔ دعاء سے بے رغبتی اور اسے ترک کرنے والا انسان دنیا اور آخرت میں گھاٹے میں رہے گا اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی جو ذمہ داری تھی، اس نے وہ بھی نہیں نبھائی۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "جو شخص مسلمانوں کے معاملات کو اہمیت نہیں دیتا، وہ ان میں سے نہیں ہے۔" دعا کے اثرات، فوائد، برکات اور پاکیزہ نتائج کو اگر ہم شمار کرتے جائیں تو بات بہت طویل ہو جائے گی، لہٰذا چند اشارے ہی کافی ہیں۔

دعاء کی کچھ شروط اور آداب بھی ہیں، دعا کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے کہ دعا کرنیوالے کا کھانا اور اس کا لباس حلال کی کمائی سے ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "اے سعد! اپنے کھانے کو پاکیزہ بنالے، تیری دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جائے گا۔

اور قبولیت دعا کی شرطوں میں سے ایک شرط سنت نبوی سے پختہ وابستگی ہے اور اوامر الٰہی پر عمل کر کے منع کردہ کاموں سے اجتناب کر کے احکامات الٰہی کی پابندی کرنا بھی قبولیت دعا کی شروط میں شامل ہے کیونکہ جو بندہ حکم الٰہی کو تسلیم کر لے اللہ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾

"اور اے نبی (ﷺ)، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو اُنہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں یہ بات تم اُنہیں سنا دو، شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔" (سورۃ البقرۃ:186)

اور فرمایا: ﴿وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾

"وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیتا ہے۔" (سورۃ الشوریٰ:26)

اور مظلوم انسان کافر ہو یا نافرمان بدعتی، اس کی دعا بھی قبول کیجاتی ہے۔ قبولیت دعا کی شروط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ دعا کرنیوالے کا دل اخلاص سے لبریز ہو اور دعا پوری طرح دل سے کی جائے، دعا میں شوق، رغبت اور اللہ سے سچی التجاء بھی شامل ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾

"(پس اے رجوع کرنے والو) اللہ ہی کو پکارو اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر کے، خواہ تمہارا یہ فعل کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔" (سورۃ غافر:14)

حدیث نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے توجہ، لاپروا اور غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ قبولیت دعا کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ دعا گناہ، قطع رحمی اور ظلم وزیادتی پر مشتمل نہ ہو۔

دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریفیں اس کے اسمائے حسنیٰ اور عالی صفات کے ساتھ کی جائیں اور نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجا جائے۔ امام ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ نے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دعا کرتے ہوئے سنا جو کہہ رہا تھا۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تو اکیلا ہے، بے نیاز جس کی نہ اولاد ہے اور نہ ہی والدین اور جس کی کوئی بھی برابری کرنے والا نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "تو نے اللہ تعالیٰ سے اس کے ایسے اسم اعظم کے ذریعے سوال کیا ہے کہ جب اس کے ذریعے سوال کیا جائے تو وہ عطاء کر دیتا ہے اور دعا کی جائے تو دعا قبول فرماتا ہے۔

امام احمد، امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا اور دعا کی کہ "اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحمت نازل فرما، نبی ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا تو نے جلد بازی سے کام لیا۔ جب تو نماز پڑھنے لگے تو اللہ کی حمد و ثناء بیان کر اور مجھ پر درود بھیج پھر اللہ سے دعا کر۔"

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں، جب تک نبی ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے بندے کی دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

دعاء کے آداب اور قبولیت کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ بندہ دعاء قبول ہونے کی جلدی نہ کرے بلکہ صبر سے کام لے مسلسل دعاء کرتا رہے کیونکہ بخاری و مسلم نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب تک تم میں سے کوئی شخص دعا میں جلد بازی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں نے دعا تو مانگی مگر قبول نہیں ہوئی تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

ہمیشہ دعا کرنے سے بھی دعا قبول ہو جاتی ہے ترمذی کی حدیث ہے کہ سطح زمین پر جب کوئی مسلم بندہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے یا پھر اس دعاء کے بقدر اس سے مصیبت

ٹل جاتی ہے۔ جب تک بندہ گناہ یا قطع رحمی والی دعا نہ کرے۔ ایک آدمی نے کہا، پھر تو ہم اور زیادہ دعا کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں مزید نوازے گا۔"

امام حاکم رحمۃ اللہ نے سیدنا ابو سعید کی روایت نقل کی ہے کہ "بندے کی دعا کے بقدر اس کیلئے آخرت میں اجر ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔"

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قبولیت دعا کے اوقات تلاش کرے کیونکہ ترمذی نے سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول کی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد کی گئی دعا قبول کی جاتی ہے۔"

صحیح بخاری و صحیح مسلم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "رات کے آخری حصے میں ہمارا رب کریم آسمان دنیا پر آتا ہے اور فرماتا ہے، ہے کوئی دعا کرنیوالا جس کی میں دعا قبول کروں، ہے کوئی سوالی جسے میں عطا کروں، ہے کوئی بخشش کا طلبگار میں اسے بخش دوں۔"

اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی، امام مسلم رحمۃ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "حالت سجدہ میں بندہ اپنے رب کے قریب ترین ہوتا ہے، اسی لیے کثرت سے دعا کیا کرو۔"

بیت اللہ کی زیارت، بارش کے نزول، پریشان حال کی، قرآن مجید کی تلاوت کی تکمیل اور صدقہ کرنے کے بعد بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

جس آدمی کا دل اللہ کا فرماں بردار ہے، وہ آدمی کتنا ہی باسعادت، کامیاب اور کس قدر اجر وثواب کا حامل ہے۔ کیونکہ ایسا آدمی اللہ سے دعا بھی کرتا ہے پر امید بھی رہتا ہے اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے ہی مدد کا طلبگار رہتا ہے اور مکمل خضوع اور دلی لگن سے اللہ سے دعا کرتا ہے اور جو آدمی قبروں اور ان میں دفن شدہ بندوں سے دعا کرے، یا پھر انبیاء کرام اور اولیاء سے دعا مانگے یا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارے، یا کسی مقرب فرشتے کو اپنا حاجت روا جانے، یا پھر کسی نبی کو اپنا مشکل کشا سمجھے تو وہ بہت بڑا شرک وکفر کرتے ہوئے بدبختی میں بڑھ رہا ہے، کیونکہ انبیاء کرام تو یہ دعوت دیتے رہے کہ دعا صرف اللہ سے ہی کرو اور محض اسی کی ہی عبادت کرو۔

ہمارے لیے فرمان الٰہی یہ ہے کہ ہم نے اپنے اعمال ایسے درست کریں جیسے اولیاء کرام نے کیے اور ان سے محبت کرتے ہوئے ان کی اقتداء کریں لیکن اولیاء کرام سے دعا مانگنے سے ہمیں منع کر دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾

"اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔" (سورۃ الجن: 18)

اور فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾ "اے نبی (ﷺ)، کہو کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔" (سورۃ الجن: 20)

غائب اور فوت شدگان میں سے کوئی بھی دعا قبول کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ قبولیت دعا کی طاقت صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾

"اسی کو پکارنا برحق ہے رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ اُن کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں اُنہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اُس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اُس تک پہنچنے والا نہیں بس اِسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں مگر ایک تیر بے ہدف!" (سورۃ الرعد: 14)

اور فرمایا: ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ۝ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ﴾

"آخر اُس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اِس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے اُن کو پکار رہے ہیں۔ اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اُس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔" (سورۃ الاحقاف: 6-5)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال اور تدابیر کے متعلق فرمایا:

﴿يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ۝ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾

"وہ دن کے اندر رات کو اور رات کے اندر دن کو پروتا ہوا لے آتا ہے چاند اور سورج کو اُس نے مسخر کر رکھا ہے یہ سب کچھ ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے وہی اللہ (جس کے یہ سارے کام ہیں) تمہارا رب ہے بادشاہی اسی کی ہے اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے

شرک کا انکار کر دیں گے حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبر دار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔"(سورۃ فاطر:13-14)

اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی سے بھی دعا کرنے کی اجازت نہیں دی، خواہ وہ کوئی کتنا ہی اللہ کا مقرب کیوں نہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾

"مسیح نے کہا تھا کہ "اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی" جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اُس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔" (سورۃ المائدۃ:72)

اور فرمایا:﴿وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾

"وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو۔"(سورۃ آل عمران:80)

امام بخاری ؒ نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود ؓ کی روایت نقل کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو حالت شرک میں فوت ہوا وہ جہنم میں داخل ہو گا۔"

اے مسلمان! قرآن مجید اور احادیث رسول وضاحت کرتے ہیں کہ دعا ایک عبادت ہے اور یہ عبادت صرف اللہ کی ہی کی جانی چاہیے۔ یہ بندوں پر اللہ کا حق ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے کریں۔ جس نے دعا میں اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرایا اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا۔ یاد رکھو! شرک اور کفر میں کسی کی بھی تقلید نہ کرو کیونکہ اولادِ آدم نے شرک اور کفر کا ارتکاب دیکھا دیکھی ہی کیا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ٦٢ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ٦٣ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ٦٤ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ٦٥ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ٦٦ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ٦٧ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ٦٨ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ٦٩ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ﴾

"بولو، یہ ضیافت اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟ ہم نے اُس درخت کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلتا ہے۔ اُس کے شگوفے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔ جہنم کے لوگ اُسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر اس پر پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ اور اس کے بعد ان کی واپسی اُسی آتش دوزخ کی طرف ہو گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔ اور انہی کے نقش قدم پر دوڑ چلے۔"(سورۃ الصافات:62-70)

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ٥٥ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾

"اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔"(سورۃ الاعراف:55-56)

اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کو میرے اور تمہارے لیے ذریعہ برکت بنائے۔ اس کی آیات اور بامقصد ذکر سے مجھے اور تم سب کو مستفید فرمائے۔ اسی گفتگو پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اپنے لیے، تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کیلئے ہر گناہ کی اللہ عظیم سے بخشش کا طلبگار ہوں۔ اسی سے بخشش مانگو وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

دوسرا خطبہ:

تمام تعریفیں رحمن و رحیم، عزیز و حکیم اللہ کیلئے ہیں۔ اسی کے اسمائے حسنیٰ ہیں اور وہی بلند و بالا صفات کا حامل ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہی اعلیٰ اور بلند ترین ذات ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور منتخب رسول ہیں۔ اے اللہ! اپنے بندے اور رسول محمد، اس کی اولاد اور صاحبِ تقویٰ صحابہ کرام ؓ پر رحمت، سلامتی اور برکت نازل فرما۔

اما بعد! تقویٰ الٰہی اختیار کر لو وہ تمہارے اعمال درست فرما دے گا اور حال و مستقبل میں تمہیں کامیابی نصیب فرمائے گا۔

بندگانِ الٰہی! اللہ کی طرف رغبت رکھنے والے اور ہمیشہ اس سے دعا مانگنے والے بن جاؤ، دعا کرنیوالے کو کبھی شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، اور جو اللہ سے امیدیں وابستہ کر لے وہ کبھی محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میرے بندے کا میرے بارے میں جیسا گمان ہوتا ہے، وہ مجھے ویسا ہی پاتا ہے۔" سیدنا عمر ؓ فرمایا کرتے تھے: "مجھے دعا کی قبولیت کی فکر لاحق نہیں ہوتی بلکہ مجھے تو یہ فکر ہوتی ہے کہ دعا کی توفیق مل جائے۔ چنانچہ دعا

کی توفیق مل گئی تو اللہ تعالیٰ اسے قبول بھی فرمالے گا۔"

ہر انسان کی نت نئی ضروریات ہوتی ہیں، ہر انسان اپنے رب سے بھلائی کا سوال کرے اور ہر بدی سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔ عظیم ترین دعا اللہ کی رضا مندی اور حصول جنت کی دعا ہے اور عظیم ترین پناہ جہنم سے پناہ ہے۔

مسلمان کو چاہیے کہ اپنی ہر ضرورت کے وقت رب سے التجا کرے کیونکہ اللہ ہی غنی، لائق تعریف اور باعزت، سخی، عظمت اور قدرت والا رب ہے۔

اللہ تعالی نے حدیث قدسی میں فرمایا:

"اے میرے بندے! اگر تمہارا پہلا اور آخری آدمی، تمام انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور سب بیک وقت مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو اس کے سوال کے مطابق عطا کردوں تو اس سے میرے خزانوں میں صرف اتنی کمی آئے گی جتنی سوئی کو سمندر میں ڈالنے سے سمندر کے پانی میں کمی واقع ہوتی ہے۔"

حدیث نبوی میں ہے:

"جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔"

اور مستحب یہ ہے کہ مسلمان نبی ﷺ سے منقول جامع دعائیں کرے، جیسے فرمانِ الٰہی ہے:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔" (البقرة:201)

اور نبی ﷺ اکثر یہی دعا مانگا کرتے تھے۔ یا جیسے یہ دعا ہے، اے اللہ! میں تجھ سے جنت اور اس کے قریب لے جانے والے ہر قول و عمل کا سوال کرتا ہوں۔ جہنم اور اس کے قریب لے جانے والے ہر قول و عمل سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

بندگانِ خدا!

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

"اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔" (الاحزاب:56)

نبی ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرما دیتا ہے۔ اسی لیے سید الاولین والآخرین اور امام المرسلین پر درود و سلام بھیجو۔ اے اللہ! محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر رحمت برسا جیسی رحمت تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ تو ہی لائقِ تعریف بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر برکت نازل فرما جیسی برکت تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ تو ہی لائق تعریف بزرگی والا ہے۔

اے اللہ! تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا، ہدایت یافتہ ائمہ، خلفائے راشدین ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ یہ ایسی شخصیات تھیں جو سچائی پر گامزن رہ کر اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ اے اللہ! تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ تابعین سے راضی ہو جا اور تا قیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جا۔ اے ارحم الراحمین! اپنے فضل و کرم اور احسان سے ان کے ساتھ ساتھ ہم سے بھی راضی ہو جا۔

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔" (سورۃ البقرۃ:201)

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾

"اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔"

(سورۃ النحل:90-91)

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

”دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔ شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔“ (سورۃ النحل:44)

مولانا عبدالرحمن کیلانی مرحوم و مغفور اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

”اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف یہی نہیں تھی کہ جو کلام حضرت محمد ﷺ کی طرف نازل ہوا اسے پڑھ کر لوگوں کو سنا دیا کریں یا لکھوا دیا کریں یا آپ اسے خود یاد کر لیں اور دوسروں کو بھی یاد کروا دیا کریں۔ بلکہ اس کے علاوہ تین مزید اہم ذمہ داریاں بھی تھیں جن میں یہاں ایک کا ذکر کیا جا رہا ہے جو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے اس کا مطلب اور تشریح و توضیح بھی لوگوں کو بتایا کریں، اگر کسی کو بات کی سمجھ نہ آئے تو سمجھا دیا کریں۔ اگر وہ کوئی سوال کریں تو اس کا جواب دیا کریں۔“ (تیسیر القرآن: 2/521-522)

مولانا عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”وحی الٰہی کو رسول اللہ ﷺ پر نازل کرنے کی دو حکمتیں بیان فرمائیں، ایک تو یہ کہ لوگوں کو اس کا مطلب سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آنے پر آپ ان کے لیے اس کی وضاحت فرما دیں۔ بلکہ خود اس پر عمل کر کے انہیں اس کی عملی تصویر دکھا دیں، کیونکہ آپ کی وضاحت اور نمونے کے بغیر وحی الٰہی میں بیان کردہ چیزوں کو سمجھنا ممکن ہی نہیں، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر احکام۔ قرآن مجید کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا ہر قول، فعل اور حال وحی الٰہی اور اس کی وضاحت ہی ہے۔ فرمایا:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (سورۃ الاحزاب: 21) ”بلاشبہ یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے (اچھا نمونہ ہے)۔“ (تفسیر القرآن الکریم: 2/383)

یہی وجہ ہے کہ دور رسالت میں بھی اور اس کے بعد بھی نبی ﷺ کے قول و فعل کو اسی طرح واجب الاطاعت سمجھا گیا جس طرح کتاب اللہ کو اور دونوں کو وحی الٰہی تسلیم کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (سورۃ النجم: 3-4)

”اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہوتی ہے، جو اتاری جاتی ہے۔“

اس لیے آپ ﷺ کے تمام احکام واجب التعمیل ہیں، اس فہم نبوت اور وحی سے مستنبط احکام کو قرآن مجید نے حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ (سورۃ النساء: 113)

”اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ پر یہ احسان بھی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو قرآن کریم اور سنت جیسی نعمت عطا کی اور دین وشریعت کے وہ امور سکھائے جنہیں آپ ﷺ پہلے سے نہیں جانتے تھے۔

قرآن مجید میں أطيعوا الله اور أطيعوا الرسول کا حکم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی بھی تاکید کی گئی ہے اور بہت سی آیات میں أطيعوا الله کے ساتھ أطيعوا الرسول کا بھی حکم ہے:

a ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ ”کہہ دیجیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر یہ روگردانی کریں (تو یاد رہے کہ) اللہ انکار حق کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔“ (سورۃ آل عمران:32)

b ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ”اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (سورۃ آل عمران:132)

c ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (سورۃ النساء:59)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو! اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کا بھی کہا مانو جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر کسی بات میں اختلاف کرنے لگو تو اللہ اور

اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔"

d ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (سورۃ النساء: 64) "اور ہم صرف اسی واسطے رسول بھیجتے ہیں کہ ہمارے کلمہ کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے اور اگر اس وقت جب ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیا تھا، آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے گناہوں کی معافی چاہتے اور رسول (یعنی آپ) ان کے لیے بخشش کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے۔"

e ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ النساء: 65) "پھر قسم ہے، تمہارے رب کی یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے، جب تک اپنے تمام جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں، پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں گرانی نہ محسوس کریں اور پوری طرح مان لیں۔"

f ﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ (سورۃ النساء: 80) "جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو اے پیغمبر ﷺ، ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔"

g ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (سورۃ المائدہ: 92) "اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور محتاط رہو اس پر بھی کہ اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف پیغام کو واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔"

h ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ ۖ قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ الانفال: 1) "(اے پیغمبر) لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیجیے کہ مالِ غنیمت تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا، پس تم ڈرو اللہ سے اور ایک دوسرے کے ساتھ صلح صفائی سے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔"

i ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ﴾ (سورۃ الانفال: 20) "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور جب تم قرآن سن رہے ہو اس کی نافرمانی نہ کرو۔"

j ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورۃ الانفال: 46) "اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں تنازع نہ کرو ورنہ تمہارے پاؤں پھسل جائیں گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

k ﴿ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ (سورۃ النور: 52) "اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور خوف کھائے گا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔"

l ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (سورۃ النور: 56) "(اور اے مسلمانو!) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔"

m ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (سورۃ النور: 54) "(کہہ دیجیے!) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اگر منہ پھیر لو گے تو ان کے ذمے تو (تبلیغ) کا بوجھ ہے اور تم اپنے بوجھ کے ذمہ دار ہو اگر تم ان کی اطاعت کرو تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پیغام حق پہنچا دینا ہے۔"

n ﴿ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الاحزاب: 71) "سنوارے گا تمہارے اعمال کو اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہ عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔"

o ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (سورۃ محمد: 33) "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔"

p ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورة الحجرات: 14) "گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہو کہ نہیں تم ایمان نہیں لائے لیکن تم کہو کہ ہم نے سر دست اطاعت اختیار کر لی ہے اور ایمان تمہارے دلوں میں ابھی داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری اختیار کرو تو تمہارے اعمال میں سے وہ کچھ کمی نہ کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔"

q ﴿مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (سورة الحشر: ۷) "اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو جو دلوایا ہے ان دیہات والوں سے تو وہ اللہ اور رسول اور (آپ کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ تم میں سے جو دولت مند ہیں یہ انہیں میں نہ گھومتا رہے اور جو کچھ رسول تمہیں دے دیں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے وہ تمہیں روکیں اس سے رک جایا کرو اور ڈرتے رہو اللہ سے وہ بلاشبہ سخت عذاب دینے والا ہے۔"

r ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (سورۃ التغابن: 12) "اور تم اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم روگردانی کرو تو (تمہارا نقصان ہے) ہمارے رسول کے ذمے تو صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسولؐ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے:

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی ﷫ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ﷫ فرماتے ہیں: "قرآن، سنت اور اجماع کے ذریعہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کو فرض کیا ہے۔ اوامر ونواہی میں اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کے علاوہ اس امت پر کسی کی اطاعت کو فرض قرار نہیں دیا اسی لیے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (جو نبی کریم ﷺ کے بعد امت کے سب سے افضل انسان تھے) وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک اللہ کی اطاعت کروں تم لوگ میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تم لوگ میری اطاعت نہ کرو۔

تمام علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے، اس لیے بہت سے ائمہ کرام نے کہا ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے ہر آدمی کی کوئی بات لی جائے گی اور کوئی چھوڑ دی جائے گی اور یہی وجہ تھی کہ فقہی مذاہب کے چاروں اماموں نے لوگوں کی ہر بات میں اپنی تقلید کرنے سے منع فرمایا تھا۔" (تیسیر الرحمن لبیان القرآن: 1/ 273)

حافظ ابن قیم ﷫ کا ارشاد ہے، لکھتے ہیں:
"اگر رسول کی اطاعت صرف احکام تک محدود رہے جو قرآن پاک میں صاف صاف موجود ہے تو پھر اطیعوا الرسول کی آیت کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا جب کہ یہ آیت چاہتی ہے کہ اللہ پاک کے نزدیک رسول کی اطاعت بھی ایک مستقل امر ہے۔ بیسیوں آیات میں رسول کی اطاعت کا علیحدہ حکم دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ براہ راست اطاعت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے۔ اس لحاظ سے جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا۔" (اعلام الموقعین، بحوالہ ترجمان السنہ: 1/ 47، از مولانا بدر عالم میرٹھی ﷫)

ارشاد نبوی ﷺ ہے: «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيةِ الخَالِقِ» "خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے۔"

رسول کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

فرمان الٰہی: ﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ﴾ (سورة النساء: 80) "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

مزید ارشاد نبوی ﷺ ہے: «مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ» (صحیح مسلم) "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ پاک کی نافرمانی کی۔"

نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے:

فرمان الٰہی ہے: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورة آل عمران: 31)

"(اے پیغمبر!) دنیا کو سنا دیجیے! اگر تمہیں اللہ سے سچی محبت ہے تو میری پیروی کرو (اس صورت میں) اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ صرف اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کے آخری پیغمبر پر ایمان لایا جائے اور اس کا اتباع کیا جائے۔ اتباع رسول کی وجہ سے تمہارے گناہ ہی معاف نہیں ہوں گے بلکہ تم محب سے محبوب بن جاؤ گے اور یہ کتنا اونچا مقام ہے کہ بارگاہ الٰہی میں ایک انسان کو محبوبیت کا مقام مل جائے اور آیت 32 (آل عمران) میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾
"کہہ دیجیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر یہ روگردانی کریں تو یاد رہے کہ اللہ انکار حق کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔"
"یہ آیت کریمہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ اطاعت رسول کی بھی تاکید کرتی ہے کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعوے دار ہوں۔" (احسن البیان: ص140)

مولانا محمد یوسف اصلاحی لکھتے ہیں:
رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ تصور کہ آپ ایک پیغام رساں قاصد ہیں اور بس، سراسر گمراہی ہے۔ شانِ رسالت کی توہین اور شریعت مطہرہ سے سرتابی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعارف تعلق قرب رسول کے وسیلے سے ہے، اللہ سے قرب اور محبت کا دعویٰ اسی وقت ثابت ہوگا جب رسول کی اتباع سے اس کا ثبوت فراہم کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:
﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (سورۃ آل عمران: 31)
"ان سے فرما دیجیے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔"

اللہ سے محبت ہی ایمان اور دین کی روح ہے اور اللہ کے نزدیک اللہ سے محبت کا دعویٰ اسی وقت قابل قبول ہے جب بندہ اس کے بھیجے ہوئے رسول کی پیروی کرتا ہوا نظر آئے اور پیروی رسول کا صلہ اور انعام اس قدر عظیم ہے کہ اس سے عظیم تر صلہ کا انسان تصور ہی نہیں کر سکتا۔ یعنی یہ کہ ایسے انسان کو اللہ اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ آل عمران کی مذکورہ آیت کے بعد دوسری آیت میں صاف صاف واشگاف انداز میں کہا گیا ہے کہ اے رسول ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر یہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔ فرمان الٰہی ہے:
﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: 32)
"کہہ دیجیے کہ لوگو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں سے محبت نہیں کرتا۔"
بات تو اس طرح بھی کہی جا سکتی تھی کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو مگر یہاں اطیعوا کا لفظ رسول کے ساتھ یہ بتانے کے لیے دہرایا گیا ہے کہ رسول کی اطاعت ایک مستقل کلمہ ہے اور اللہ کی اطاعت کی شکل بھی تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے، رسول کی اطاعت ہی دراصل اللہ کی اطاعت ہے، اسی لیے قرآن نے کہا: ﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ﴾ (سورۃ النساء: 80) "جس نے رسول کی اطاعت کی اسی نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔"
سورہ آل عمران کی ان دونوں آیتوں سے ایک اور حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے جو انتہائی چشم کشا ہے وہ یہ کہ متبعین رسول اللہ کے محبوب ہیں اور رسول سے سرتابی کرنے والے اللہ کی نظر میں کافر ہیں اور کافروں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔
رسول کی اتباع اور پیروی کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نظام تہذیب و تمدن کی اتباع کی جائے جو اللہ کے رسول نے قرآن کے محکم اور مجمل احکام اور اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیا تھا اور محکم آیات کی آپ نے تشریح ووضاحت فرمائی۔ مجمل کو آپ نے کھولا' آسمانی احکام پر آپ نے تشریحات کہیں اور زندگی کے تمام مسائل، معاشی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی شعبوں کے لیے قاعدے اور ضابطے بنائے اور عملاً انہی احکام اور قوانین پر اس وقت کے معاشرہ کو اسلامی معاشرہ بنایا۔ فضائل، اخلاق اور انسانی قدروں سے انسانی زندگی کو آراستہ کیا۔ عبادت کے ایک منظم پروگرام سے زندگی کو ایسی رعنائی بخشی جس پر فرشتے بھی رشک کریں۔ یہی شریعت مقدسہ کا وہ نظام ہے جس کی اتباع اور پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس سے بے نیازی اور سرتابی کی قطعا مسلمان کے لیے گنجائش نہیں ہے اور یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ اسی شریعت کی اساس قرآن بھی ہے اور سنتِ رسول بھی۔ شریعت سے سرتابی کرنے والوں کی پہچان اور شناخت قرآن نے یہ بتائی ہے کہ وہ رسول کی اطاعت سے کتراتے ہیں:
﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا﴾ (سورۃ النساء: 61)
"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے آؤ اس کلام کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور اس کے رسول کی طرف تو آپ دیکھتے ہیں ان منافقوں کو وہ آپ سے کتراتے ہیں۔" (تاریخ تدوین سنت: 17 تا 18)
رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے سرتابی کرنا کلام اللہ اور دین حق سے سرتابی ہے، اس لیے کلام اللہ کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی شکل تو صرف یہی ہے کہ آدمی شریعت اسلامی کی اتباع کرے۔
رسالت کے نظام کا یہ مقصود نہیں کہ رسول آپ تک کتاب اللہ پہنچا دے اور بس، بلکہ رسالت کا مقصود یہ ہے کہ رسول آپ کو تعلیم دے، کتاب اللہ کے معنی اور مفہوم بھی سمجھائے اور اس کا منشا اور مراد بھی بتائے اور عملاً ایک نظام شریعت بنا کر آپ کو زندگی گزارنے کا طریقہ بتائے اور خود اس کا نمونہ پیش کرے جو امت کے لیے مکمل اسوۂ حسنہ اور رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اس کی آئینہ دار ہے۔

وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ
جان و دل سے چاہیے کرنا قبول
لطف قال اللہ اور قال الرسول

☆☆☆

سوال: امریکہ سے ایک خاتون نے سوال کیا ہے کہ میرے شوہر اس بات کے قائل ہیں کہ بیوی بغیر محرم کے گھر سے باہر نہیں جاسکتی، بعض دفعہ ضروری اشیاء کی خرید کے لیے مجھے مارکیٹ جانا ہوتا ہے، میرے شوہر اپنے کام کی وجہ سے میرا ساتھ نہیں دے سکتے اور نہ ہی وہ مجھے تنہا جانے کی اجازت دیتے ہیں تو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: آپ کے سوال کی دو شقیں ہیں:

الف: شہر سے باہر کا سفر

ب: شہر کی حدود کے اندر اندر ضروریات زندگی کے حصول کے لیے گھر سے نکلنا۔ پہلے سوال کا جاب دوسری شق کے جواب کو سمجھنے کے لیے مفید رہے گا، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"جو خاتون اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایک دن اور ایک رات کا سفر اپنے محرم کے بغیر کرے۔" (صحیح مسلم:1338)

ایک حدیث میں دو دن کا اور دو رات کا ذکر ہے اور ایک اور حدیث میں تین دن کا بھی ذکر ہے۔ (صحیح بخاری:1864؛ صحیح مسلم:1338)

بعض علماء نے ایک ایسی خاتون کے لیے جو حج پر جانا چاہتی ہو لیکن اسے محرم میسر نہ ہو، اتنی رخصت کا ذکر کیا ہے کہ اگر امانت دار افراد کا گروپ موجود ہو تو وہ ان کے ساتھ جاسکتی ہے، اس رائے کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں نبی ﷺ کی ازواج نے محرم کے بغیر حج ادا کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ جانے کی ہدایت کی کی تھی۔ (صحیح بخاری:827)

سعودی عرب کی لجنہ دائمہ للفتویٰ کے ایک معروف ومشہور رکن شیخ عبدالرزاق عفیفی نے اپنے ایک فتویٰ میں لکھا ہے کہ اگر ایک عورت کو انتہائی ضرورت کی بنا پر بیرونی سفر کرنا ہو تو وہ یہ سفر کرسکتی ہے بشرطیکہ منزل مقصود پر اس کا کوئی محرم اس کے استقبال کے لیے موجود ہو۔

اور ایسے ہی کچھ علماء اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اگر ایک عورت انتہائی ضرورت کی بنا پر سفر کرنا چاہتی ہو اور محرم میسر نہ ہو تو وہ پبلک ٹرانسپورٹ (جیسے بس، ٹرین یا ہوائی جہاز) سے سفر کرسکتی ہے۔ اگر یہ سفر پُرامن ہو، اس رائے کی بنیاد عدی بن حاتم کی اس روایت پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حِیرہ (عراق) سے نکلے گی اور پھر وہ مکہ جاکر اللہ کے گھر کا طواف کرے گی اور (اس سفر میں عالم یہ ہوگا) کہ سوائے اللہ کے، اسے کسی اور کا ڈر نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری:3400)

یہ اسی وقت ممکن ہوگا کہ جب ایک عورت کا تن تنہا سفر کرنا، راستے کے پُرامن ہونے کی بنا پر آسان ہو جائے گا۔

اب دوسری شق کی طرف آیئے، ایک عورت اپنے خاوند کی اجازت سے ضروریات زندگی کے حصول کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہے۔

خود نبی ﷺ کے زمانے میں خواتین رات کی تاریکی میں قضاء حاجت کے لیے گھر سے دور جایا کرتی تھیں کیونکہ گھروں کے اندر یہ سہولت موجود نہ ہوتی تھی، لیکن شوہر کے لیے یہ بات ناروا ہوگی کہ گھر کی خواتین کو باہر کام کرنے، یا اپنے شوہر کے کام میں مدد دینے یا سودا سلف لانے سے منع کرے جب کہ وہ خود اپنی مصروفیات کی بنا پر یہ کام انجام نہ دے سکتا ہو۔

یہاں ہم ایک مشہور ومعروف صحابیہ کی مثال پیش کرتے ہیں، ان کے شوہر زبیر بن العوام ہیں، جو عشرہ مبشرہ بالجنہ میں سے ایک ہیں۔ یہ خاتون حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ہیں جو روایت کرتی ہیں کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے جب مجھ سے شادی کی تو اس سرزمین میں سوائے ایک گھوڑے کے ان کے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ کوئی غلام، تو میں ان کے گھوڑے کو چارہ ڈالتی، سواری کے دوسرے سارے لوازمات پورے کرتی، گھوڑے کو سدھاتی، گٹھلیاں پیس کر اونٹ کا چارہ بناتی اور پھر اسے کھلاتی، پانی بھر کر لاتی اور بڑے ڈول کو بھر دیتی، آٹا گوندتی اور چونکہ روٹی اچھے طریقے سے پکانا نہیں آتا تھا تو انصار کی پڑوسنیں میرے لیے روٹی پکا دیتیں، یہ عورتیں سچی اور ستھری خواتین تھیں۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو (مدینے سے) دو میل کے فاصلے پر ایک قطعہ زمین عطا کیا تھا اور میں وہاں سے گٹھلیوں (کی ٹوکری) اپنے سر پر لاد کر لایا کرتی تھی اور ایک دن جب کہ میں اسی طرح یہ ٹوکری سر پر لادے آرہی تھیں تو اسی راستے سے نبی ﷺ کا چند صحابہ کے ساتھ گذر ہوا تو انہوں نے مجھے آواز دی، اپنے اونٹ کو بیٹھنے کا اشارہ دیا تاکہ مجھے وہ اپنے پیچھے سوار کرلیں۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے شرم آئی اور زبیر کی غیرت یاد آئی، (یعنی اس بنا پر انہوں نے نبی ﷺ کی دعوت قبول نہ کی۔)

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا: تمہارا اپنے سر پر گٹھلیاں لاد کر لے جانا مجھے زیادہ گراں گذرتا ہے، بہ نسبت اس کے کہ تم ان کے ساتھ سوار ہو جاتیں۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اور پھر سیدنا ابو

بکر ؓ نے مجھے ایک خادم بھجوا دیا اور یوں مجھے گھوڑے کے کاموں سے فرصت ملی، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا انہوں نے مجھے آزاد کر دیا ہے۔" (صحیح مسلم:2182)

اس روایت سے یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ سیدہ اسماء ؓ گھر کے باہر کے کام بھی کیا کرتی تھیں اور مدینہ سے دو میل (ایک فرسخ کا دو تہائی فاصلہ) تنہا آیا جایا کرتی تھیں اور یقیناً حضرت زبیر ؓ کی طرف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔

البتہ اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے سوار ہونے کے بارے میں صحیح مسلم کے شارح امام نووی ؒ لکھتے ہیں: "یہ عمل اللہ کے رسول کی خصوصیات میں سے ہے، وہ اس لیے کہ حضرت اسماء ؓ حضرت ابو بکر ؓ کی بیٹی ہیں، حضرت عائشہ ؓ کی بہن ہیں، حضرت زبیر ؓ کی بیوی ہیں، گویا ان کی حیثیت گھر کے ایک فرد کی مانند تھی۔"

یہ وہ خصوصیت تھی کہ جس کی بنا پر انہوں نے حضرت اسماء ؓ کو پیچھے بٹھانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ وگرنہ نبی ﷺ کی عمومی ہدایت یہی ہے کہ غیر مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے دور رہیں۔

عید الفطر اور فلسطین

عجیب عید ہے غم خوب ہے خوشیاں کم ہیں
مرض شکر کا ہے اور شیر پیش خدمت ہے
ہے ظلم کتنا فلسطین کے نہتوں پر
بتاؤ ایسے میں ہم عید منائیں کیسے ؟
اعزہ اور اقارب بہت ہوئے رخصت
سحر کے وقت مرا کوئی، شام کو کوئی
مرے خدا تو اٹھا لے وبا کو دنیا سے
الٰہی تو ہی تو ملجا ہے اور ماوا ہے
تو اپنے بندوں پہ چشم کرم جو فرما دے
تری مدد کی ضرورت ہے آج اقصیٰ کو
دعائے ثاقب عمری قبول کر مولیٰ !

منائیں عید بھلا کیسے نیکیاں کم ہیں
ہیں مغفرت زیادہ خدا کی رحمت ہے
ستم کا زور سرائیل کا غریبوں پر
الم کے حال میں نغمات سنائیں کیسے ؟
غم والم میں بھلا کس کو جشن کی فرصت
کوئی بھی کر نہیں پاتا کسی کی دل جوئی
سکوں کے ساتھ جڑیں لوگ کار عقبیٰ سے
ترے ہی ہاتھ میں سب کچھ مرے خدایا ہے
مجال کس کی ہے مولا کہ ان کو دہلا دے
دکھا سکیں گے نہ ہم منہ وگرنہ دنیا کو
طلب فقیر کی تجھ سے ہے مختصر مولیٰ !

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب، ڈڈلی

نوجوان آج کے باغ و بہار اور مستقبل کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ 'نوجوان' ایسی نسل ہے جس کی ہر دور میں قدر و قیمت رہی ہے۔ ان کی تعلیمی یا تربیتی عمل میں کہیں ذرا سی بھی کمی واقع ہو تو معاشرہ اضطراب کی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ آج کا معاشرہ بھی کچھ اسی طرح کی صورتحال میں اُلجھا ہوا ہے۔ جرائم کی اکثریت، معاشرتی بگاڑ، لادینیت کی اندھی تقلید، بدامنی، قتل و فساد اور ہر طرف بے سکونی کی فضا چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ان مسلمان نوجوانوں کی گمراہی اور بے راہ روی کی بنیادی وجہ دینِ اسلام سے دوری ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کو روندتے ہوئے یہ نوجوان آج خود کو دنیا کی تیز رفتار ترقی اور اس جہانِ فانی میں کامیابی کے حصول کے خواہش مند دکھائی دیتے ہیں مگر در حقیقت یہ نوجوان طبقہ گمراہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ یہ صورتحال مزید سنگینی اختیار کرتی جا رہی ہے۔ غیر اسلامی رسومات، ذرائع ابلاغ کا بڑھتا ہوا منفی رجحان اور دشمنانِ دین کے اوچھے ہتھکنڈوں نے اُمّتِ مسلمہ کے ان نوجوان طبقہ کے فکر و سوچ کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے اور یوں یہ طبقہ گمراہی میں زیادہ مبتلا نظر آتا ہے۔

اسلام جو ہمہ گیر مذہب ہے، انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لیے اُصول مرتب کرتا ہے۔ اسلام نے بچوں کی تعلیم و تربیت، فطرت سلیمہ کی تبدیلی اور امن سے انحراف کا پہلا ذمہ دار ماں باپ کو قرار دیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ» (صحیح بخاری: 1385)

"ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔"

جوانی ایک نعمت ہے، جس کی قدر کرنا اور صحیح رخ پر ڈالنا بہت ضروری ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ دینِ حق کی دعوت میں نوجوانوں کا بڑا کردار رہا ہے۔ قرآن مجید میں اصحابِ کہف کا تذکرہ موجود ہے۔ جن کے دلوں نے ایمان کی دولت پاتے ہی ہر طرح کے ناز و نعم کو چھوڑ کر صحرا و بیاباں اور پہاڑوں کا رخ کیا۔ حکومتِ وقت کی ریشہ دوانیوں سے بچنے اور اپنے ایمان کی دولت کو محفوظ کرنے کے لیے ہجرت کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ان نوجوانوں کی ان الفاظ میں تعریف بیان فرمائی: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ ءامَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى﴾ (سورۃ الکھف: 13)

"ہم آپ پر اُن کا قصہ برحق بیان کرتے ہیں کہ یہ چند نوجوان اپنے ربّ پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے اُنھیں ہدایت میں ترقی دی تھی۔"

نوجوانی میں کسی کام کو کرنے کا جذبہ، ولولہ، کسی معاملے کو عروج تک پہنچانے کی جراءت اور کسی حادثے سے مقابلہ کرنے کی عظیم قوت پائی جاتی ہے۔ علم النفس کے ماہرین کا کہنا ہے کہ نوجوانی کا یہ عرصہ اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اسے جو راہ مل جائے، وہ اسے اپنا لیتا ہے۔ قرآن مجید کی ایک لمبی چوڑی سورت (سورۃ یوسف) ایک صالح نوجوان کی عصمت و عفت اور ہمت و جرات کی مثال قائم کرتی ہے جس نے پاکیزگی و عفت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور پاک دامنی کا راستہ ہی اختیار کیا۔ نوجوانی کے اس سنہرے دور کی قدر و قیمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے واضح ہو جاتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِغْتَنِمْ خمساً قَبْلَ خمسٍ، شَبابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَ صِحَتَكَ قَبْلَ سُقمِكَ وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ حَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ» (المستدرک للحاکم: 7846/3)

"پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت شمار کرو! اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے، اپنی مالداری کو اپنی تنگدستی سے پہلے، اپنی فراغت کو اپنی مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔"

بے حسی اور غفلت میں گھرے اِن نوجوانوں کو گمراہی کی دلدل سے نکالنا بے حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کتاب قرآنِ مجید میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی راہ دکھائی۔ جن میں قرآن مجید نے حضرت لقمان کی ان نصیحتوں کو نقل کیا، جو اُنھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ اُنھوں نے اپنی نصیحت کا آغاز توحید سے کیا اور اسے چند اخلاقی امور پر ختم کیا ہے، جن کو سات بنیادی نکات سے واضح کیا جا سکتا ہے:

1۔ توحید کی تعلیم

اسلام کی سب سے پہلی اور اہم ترین تعلیم 'توحید' ہے۔ یہی چیز مسلم اور مشرک کے مابین تفریق

قائم کرتی ہے۔ اس کا انکار کرنے والا مشرک بن جاتا ہے، جس کے لیے دنیا و آخرت میں ذلّت و رسوائی ہے۔ اس لیے حضرت لقمان نے سب سے پہلے اپنے نوجوان بیٹے کو شرک سے روکا۔ کیونکہ شرک سے ایک خدا کی طرف بغاوت اور اس کی ہستی کا انکار لازم آتا ہے اور دوسری طرف شرک کرنے والا خود اپنی پیشانی اپنے جیسے یا اپنی سے کمتر مخلوقات کے سامنے جھکا کر ذلیل و خوار کرتا ہے:
﴿وَإِذ قالَ لُقمـٰنُ لِابنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يـٰبُنَىَّ لا تُشرِك بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّركَ لَظُلمٌ عَظيمٌ ﴾ (سورۃ لقمان:13)
"اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔"
نوجوانِ دین کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ بیان نہایت سبق آموز ہے:
"توحید سب سے بڑا علم ہے۔ تم جس قدر تحقیق اور جستجو کروگے، تم کو یہی معلوم ہوگا کہ یہی علم کا سرا بھی ہے اور علم کی آخری حد بھی۔ طبیعیات، کیمیا، ہیئت، ریاضیات، حیاتیات، حیوانات اور انسانیت غرض کائنات کی حقیقتوں کا کھوج لگانے والے جتنے بھی علوم ہیں، ان میں سے خواہ کوئی علم لے لو، اس کی تحقیق میں تم جس قدر آگے بڑھتے جاؤ گے، لا اِلٰہ اِلّا اللہ کی صداقت تم پر زیادہ کھلتی جائے گی اور اس پر تمہارا یقین بڑھتا جائے گا۔"
اُمّتِ مسلمہ کے یہ جوان اللہ کی حقیقت اور اس کی گہرائی سے واقف ہی نہیں۔ اس لیے آج بیشتر نوجوان پیروں فقیروں کی در کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ روحانی بابا اور ماہرِ نجوم کی پیروی کرتے ہیں۔ جادو منتر، عملیات اور ایسے دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے اپنے مسائل کے حل کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ مگر در حقیقت وہ اس کے باوجود فلاح حاصل نہیں کر رہے، کیونکہ اس کا سبب اللہ اس کی ذات و صفات اور یکتائی پر ان کے ایمان کی کمزوری ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کمزوری کا بیان اس طرح ارشاد فرمایا ہے:
﴿وَاتَّخَذوا مِن دونِ اللَّهِ ءالِهَةً لَعَلَّهُم يُنصَرونَ 0 لا يَستَطيعونَ نَصرَهُم وَهُم لَهُم جُندٌ مُحضَرونَ ﴾(سورۃ یٰس:74-75)
"اور اُنھوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں، کہ شاید (اُن سے) اُسکو مدد پہنچے، (مگر) وہ ان کی مدد کی طاقت ہرگز نہیں رکھتے، اور وہ ان کی فوج ہو کر ظاہر کئے جائیں گے۔"
مسلمان نوجوان عقیدہ توحید کو اپنے اندر راسخ اور جذب کر لیں اور قدم قدم پر اللہ کی نصرت و حمایت کے طلب گار بن کر اس کا عملی ثبوت دیں۔ فرمانِ مبارک ہے:
﴿يـٰأَيُّهَا النّاسُ اعبُدوا رَبَّكُمُ الَّذى خَلَقَكُم وَالَّذينَ مِن قَبلِكُم لَعَلَّكُم تَتَّقونَ ٢١ الَّذى جَعَلَ لَكُمُ الأَرضَ فِرٰشًا وَالسَّماءَ بِناءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّماءِ ماءً فَأَخرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزقًا لَكُم ۖ فَلا تَجعَلوا لِلَّهِ أَندادًا وَأَنتُم تَعلَمونَ﴾ (سورۃ البقرۃ:22)
"اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ، جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے کھانے کے لیے پھلوں کو نکالا پس تم اللہ کے لیے شریک نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔"
جدید دور کے نوجوان طبقے میں اس بنیادی امر اور حقیقت کو واضح کرنا بے حد ضروری ہے کہ مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ ذہنی کشمکش اور مصائب کا شکار یہ نوجوان طبقہ بلند و بالا اور عظیم ہستی کو چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوقات سے فریاد کر کے نہ صرف شرک کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ رحمتِ الٰہی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ شرک کی سنگینی اس آیت سے واضح ہو جاتی ہے:﴿إِنَّ اللَّهَ لا يَغفِرُ أَن يُشرَكَ بِهِ وَيَغفِرُ ما دونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشاءُ ۚ وَمَن يُشرِك بِاللَّهِ فَقَدِ افتَرىٰ إِثمًا عَظيمًا﴾ (سورۃ النساء:48)
"یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے، اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔"
لہٰذا نوجوانوں کو شروع سے ہی شرک سے اجتناب کی تعلیم دینا بے حد ضروری ہے۔

2۔ اللہ کی ذات باریک بین اور خبیر ہے!

اُمّتِ مسلمہ کے نوجوان طبقے کے علم میں ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل سے واقف ہے۔ لہٰذا نوجوان کسی بھی حال میں اچھا یا برا عمل کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ حضرت لقمان نے دوسری نصیحت میں فرمایا:
﴿يـٰبُنَىَّ إِنَّها إِن تَكُ مِثقالَ حَبَّةٍ مِن خَردَلٍ فَتَكُن فى صَخرَةٍ أَو فِى السَّمـٰوٰتِ أَو فِى الأَرضِ يَأتِ بِهَا اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطيفٌ خَبيرٌ﴾ (سورۃ لقمان:16)
"اے میرے پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر وہ بھی خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمان میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا، اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبیر ہے۔"
دل میں پیدا ہونے والے خیالات، نگاہوں کی حرکت، اعمال، حقائق، حال اور مستقبل تمام چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ مخلوقِ الٰہ اپنے ارد گرد چند چیزوں کے احوال سے ہی باخبر ہو سکتی ہے، مگر خدائے بزرگ و برتر کے اختیارات کی وسعت اور بڑائی روئے زمین کی تمام مخلوق اور کائنات کے ذرّے ذرّے پر محیط ہے۔ حتیٰ کہ پتھر میں پایا جانے والا کیڑا بھی اس

کے علم سے اوجھل نہیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿عٰلِمِ الغَیبِ ۖ لا یَعزُبُ عَنهُ مِثقالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلا فِی الأَرضِ وَلا أَصغَرُ مِن ذٰلِكَ وَلا أَكبَرُ إِلّا فی كِتٰبٍ مُبینٍ﴾ (سورۃ سبا:3)

"اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے۔"

انسان کی زندگی ایک ایسی فائل کی طرح ہے، جس میں انسانی زندگی کے مرحلہ وار اُمور کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ کوئی بھی عمل خواہ اچھا ہو یا برا، وہ لکھا جا رہا ہے۔ یوں ایک دن اللہ کی عدالت میں فائل کھل جائے گی اور ہر طرح کے عمل کا حساب ہو گا۔

آج کے دور میں نوجوانوں کی سرگرمیاں، دین سے دوری، تخلیقِ انسان کے مقصد سے لاپرواہی، اسلامی عقائد و نظریات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کیمونسٹ وملحد معاشروں کی اندھی تقلید کے اسباب میں دراصل اُخروی انجام سے لاپرواہی برتنا ہے۔ کیونکہ دل میں اِس خوف کی موجودگی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، اللہ کی رضا کے حصول کی جانب کشش کو بڑھاتا ہے اور گناہوں سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے۔ اُمّت مسلمہ کے نوجوانوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ زندگی سے لے کر موت تک، تنہائی سے ہجوم تک اور زندگی کے تمام معاملات کا کامل علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلَّ شَیءٍ أَحصَینٰهُ كِتٰبًا﴾(سورۃ النباء:29)

"ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے۔"

مغربی دنیا کے زیر اثر حالات نے جس قدر تیزی سے کروٹ بدلی، اس سے نوجوانوں کے ظاہر وباطن بری طرح متاثر ہوئے، اور یوں ان کی ذہنی، تعلیمی، فکری، اور اصلاحی کارکردگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ اب یہ وقت مثبت رجحانات کی تعمیر اور مفید رویوں کی تشکیل کا ہے تاکہ اُمت مسلمہ کے یہ نوجوان عملِ خیر کے راستے کی طرف گامزن ہوں جب انسان نیکی یا بدی کے لیے سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو قدموں کے نشانات بھی لکھے جاتے ہیں جیسے کہ عہد رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بنو سلمہ نے ادھر منتقل ہونے کا ارادہ کیا جب نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انہیں مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا:

«يَا بَنِي سَلِمَةَ! دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ» (صحیح مسلم:1519)

"تمہارے گھر اگرچہ دور ہیں، وہیں رہو جتنے قدم تم چل کر آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں۔"

سورۃ یٰس میں اس کو اس طرح سے بیان فرمایا:

﴿إِنّا نَحنُ نُحیِ المَوتىٰ وَنَكتُبُ ما قَدَّموا وَءاثـٰرَهُم ۚ وَكُلَّ شَیءٍ أَحصَینٰهُ فی إِمامٍ مُبینٍ﴾(سورۃ یٰس:12)

"بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے، اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں اور اُن کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔"

اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنے اعمالوں کے دفاتر میں کیا درج کر رہا ہے۔

3۔ نماز قائم کرنا

نماز ایک نوجوان کی زندگی کی زندگی کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لیے بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے اس کو بچپن سے ہی نماز کا خوگر بنانا چاہیئے۔ کیونکہ نماز بندے کے اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے پیارے بیٹے کو اقامتِ صلاۃ کی تلقین کی:

﴿یٰبُنَیَّ أَقِمِ الصَّلوٰةَ﴾

"اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم کرو۔"

توحید کے اقرار کے بعد عبادت کا درجہ آتا ہے۔ نماز دینِ اسلام کا دوسرا رکن ہے اور قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز نہ صرف فرائض کا حصہ ہے بلکہ موجودہ حالات میں بھٹکے ہوئے نوجوانوں کے مسائل، تناؤ، ڈیپریشن، شدت پسندی، غم و غصہ اور اشتعال انگیزی سے نجات کا حل بھی ہے۔ کیونکہ اس میں سکون ہے، جس کی آج کی نوجوان نسل کو بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سکون کا ماخذ اپنی ذات کو قرار دیا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَأَقِمِ الصَّلوٰةَ لِذِكرى﴾(سورۃ طٰہٰ:14)

"یعنی میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿أَلا بِذِكرِ اللَّهِ تَطمَئِنُّ القُلوبُ﴾ (سورۃ الرعد:28)

"اللہ کی یاد ہی اطمینانِ قلب کا باعث ہے۔"

نماز کے ایک معنی قریب ہونے کے ہیں۔ گویا نماز پنجگانہ ادا کرنے والا اللہ سے قریب ہوتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ» (صحیح بخاری:660)

"اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا۔ ان میں سے ایک وہ نوجوان ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پرورش پائی ہو۔"

نوجوانی کے قیمتی دور میں وقت سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ نوجوانی کی نماز قربتِ الٰہی کا ذریعہ اور وقت کی پابندی پیدا کرتی ہے۔ جدید دور کی اکثریت نماز جیسی اہم عبادت اور فرض سے کنارہ کش ہے، اسی

لیے ان کی زندگی منظم نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنُوا استَعينوا بِالصَّبرِ وَالصَّلوٰةِ ۚ﴾ (سورۃالبقرۃ:153)

"اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو۔"

نوجوانوں میں چونکہ شدتِ جذبات کی وجہ سے زیادہ جلد برائیوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تا ہے۔ نماز نوجوان مسلمان کو غیر اخلاقی سرگرمیوں اور بے راہ روی سے باز رکھتی ہے جیسے کہ قرآن میں اللہ کا فرمان ہے:﴿وَأَقِمِ الصَّلوٰةَ ۖ إِنَّ الصَّلوٰةَ تَنهىٰ عَنِ الفَحشاءِ وَالمُنكَرِ﴾ (سورۃالعنکبوت:45)

"نماز قائم کرو، کیونکہ یہ بے حیائی اور برے کام سے روکتی ہے۔"

موجودہ دور فتنوں کا دور ہے، جس میں ایک طرف اسلام مخالف سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے اور دوسری طرف نفاذِ شریعت کو عمل میں لانا ہے۔ امت مسلمہ کے یہ نوجوان اپنے پختہ ارادوں سے اس عزم میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ جب کہ وہ حقیقی رہنما اور رہبر اللہ تعالیٰ کو مان لیں اور اس کی عبادت بجالائیں۔

4۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ

بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اہل عزیمت کا کام ہے۔ وہی معاشرے ترقی کی منازل طے کرتے ہیں جن میں برائی اور بھلائی میں تفریق قائم رہے۔ حضرت لقمان کے نصائح میں اگلی نصیحت یہ تھی:﴿وَأمُر بِالمَعروفِ وَانهَ عَنِ المُنكَرِ﴾

"اور بھلائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔"(سورۃلقمان:17)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ جہاں معاشرتی اصلاح کرتا ہے، وہاں انسان میں خود بھی بیداری کا احساس اُجاگر رکھتا ہے۔ مگر آج کے مسلمان نوجوان طبقے نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ بلکہ مغربی ذہنیت کے زیر اثر اس امر کو Interference (دخل در معقولات) سمجھ لیا گیا ہے۔ Interference کی آڑ میں نوجوان اپنے اوپر لاگو فرائض سے بھی دستبردار ہو رہے ہیں۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ مبارک بالکل واضح ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم:177)

"جب تم کوئی برائی دیکھو تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دو، اگر ایسا نہ کر سکو تو زبان سے روک دو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو دل میں برا جان لو اور یہ ایمان کا کم تر درجہ ہے۔"

جدید دنیا پر بے چینی اور اضطراب کے جو بادل چھائے ہوئے ہیں اور جس طرح برائیوں کے کشاکش سے یہ نوجوان مغلوب ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں، وہ کسی مقصد اور معنویت سے یکسر محروم ہو گئی۔ اسلام دیگر تمام مذاہب پر اسی وجہ سے فوقیت رکھتا ہے کہ وہ تمام لوگوں سے منصفانہ سلوک کرتا ہے۔ ظلم کے خلاف آواز اُٹھانا، برائی کو دیکھتے ہی اسے روکنا اور جو نصب العین مسلمان بھول چکے ہیں، اُنھیں اس نصب العین پر قائم رکھنا یہی ہمارے مذہب کی تعلیم ہے۔ افسوس کہ ہم اپنی سامنے مسلمانوں کا قتل عام دیکھ رہے ہیں، برما کے مسلمانوں سے لے کر فلسطین تک، کشمیر اور کراچی سمیت بے شمار لاشیں ہیں، مگر کہیں کوئی صدا نہیں اٹھتی کہ یہ روز کے معمولات کا حصہ بن چکا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ کوئی بھلائی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا!! ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلاَ يُسْتَجَابُ لَكُمْ» (جامع ترمذی:2169)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعائیں کروگے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔"

اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، مگر معاملات چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی، بدی اور استبداد کے آگے ڈٹ جانا ہی باہمّت اور پر عزم نوجوانوں کی نشانی ہے۔ تاہم اس اختیار کو سونپنے میں ریاست بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ مزید یہ کہ اس سلسلے میں خود میں عملی نکھار امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پہلا تقاضا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ، لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، وَلاَ مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ» (صحیح بخاری:3641)

"اس اُمّت میں ہمیشہ ایسے لوگوں کی جماعت موجود رہے گی، جو حق پر جمے رہیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت حاصل کرنے والے اور حمایت یافتہ لوگ ہوں گے۔ یہ برملا حق کا اظہار کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے لوگ ہوں گے۔ ان کی مدد سے ہاتھ کھینچنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے اُنھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

یہی جماعت 'الفرقۃ الناجیۃ' ہے یعنی کامیاب وکامران جماعت۔ نوجوانوں میں کامیابی و کامرانی کا تقاضا ہے کہ سچائی سے محبت کر کے اس جذبہ اور عمل کو اپنا کر دنیا کو کھوئے ہوئے امن و سلامتی سے ہم کنار کریں۔

5۔ مصائب پر صبر

ایک نوجوان کو دین و دنیا کے اُمور کی انجام دہی کے وقت مصیبتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔اس لیے اقامتِ صلاۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فوراً بعد حضرت لقمان اپنے نوجوان بیٹے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں:

﴿وَاصبِر عَلىٰ ما أَصابَكَ ۖ إِنَّ ذٰلِكَ مِن عَزمِ الأُمورِ ﴾(سورۃ لقمان:17)

''اور جو مصیبت تم پر آ جائے صبر کرنا، بے شک یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔''

صبر مومن کا ہتھیار ہے۔نوجوانی کی دہلیز کو چھوتے ہی ایک نوجوان کو اپنی زندگی کے اَن گنت مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔دراصل صبر آزمائش کی ایک کڑی ہے ، کبھی اللہ تعالیٰ انسان کو آزمانے کے لیے اور کبھی راہِ راست پر لانے کے لیے اسے امتحان میں مبتلا کرتا ہے، وہ وقت انسان کے صبر کا ہوتا ہے۔صبر انسان کے لیے ہر حال میں اُمید کا چراغ ہے۔قرآنِ مجید کی سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿استَعينوا بِالصَّبرِ وَالصَّلوٰةِ﴾ (سورۃ البقرۃ: 153)''تم مدد مانگو، صبر اور نماز کے ساتھ۔''

یعنی ثابت قدمی اور صبر بذاتِ خود بہت بڑی مدد ہے ، اور اللہ سے رجوع کرنے پر اللہ کی مدد اس معاملے میں شامل حال ہو جاتی ہے ۔اس طرح انسان تباہی سے بچ جاتا ہے۔نوجوانی شدتِ جذبات کا نام ہے اور جذبات سے مغلوب یہ نوجوان اکثر بے صبری کا مظاہرہ زیادہ کرتے ہیں۔ شرعی حدود سے تجاوز، پیسہ کمانے کے شارٹ کٹ راستے، فراڈ، ڈکیتیاں اور تعلیمی میدان میں ناجائز ذرائع کا استعمال، یہ درحقیقت بے صبری کی ایک عملی قسم ہے۔اُمتِ مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے میں ایک بڑی وجہ عدم برداشت ہے۔نفرت ، عداوت، انتقام، لالچ، حسد جیسی برائیوں نے اِن نوجوانوں کو بگاڑ رکھا ہے، کہ وہ صبر جیسی عزیمت کو بد دلی اور کم ہمتی گردانتے ہیں۔حالانکہ صبر بہادری ہے، اس لیے صبر کی تلقین کے ساتھ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ یہ بڑے اونچے کاموں میں سے ہے۔ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِن عَزمِ الأُمورِ ﴾ (سورۃ الشوریٰ:43)

''اور جو صبر کرے، اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

اسلام کا ایک ایک کارنامہ نبی کریم ﷺ کے صبر و استقلال اور عزم و استقامت کا شاہکار ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔مکی دور کے تیرہ سال کی آزمائش سے لے کر تمام غزوات آپ ﷺ کے صبر کے عملی ثبوت ہیں، یہاں تک کہ اسلام کا نفاذ ہو جاتا ہے۔آج بھی صبر جیسی صفت کو اپنا کر نوجوانانِ دین اپنی مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں۔ انفرادی معاملات کے علاوہ ایک نوجوان جب دین کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو اسے بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔کہیں تو سیکولر معاشرہ اور کہیں موجودہ مسلمانوں کا متضاد رویہ، اسے فرائض کی ادائیگی سے روکتا ہے۔چنانچہ مسلم نوجوان کو صبر و استقلال اور استقامت میں اُس عظیم نوجوان صحابہ کی مثال کو سامنے رکھنا چاہیئے جو حبشی اور غلام تھے۔یہ صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، جو اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔اُمیّہ ان کی گردن میں رسّی ڈال کر لڑکوں کو دے دیتا اور وہ اُنھیں مکے کے پہاڑوں میں گھماتے پھرتے تھے ، یہاں تک کہ گردن پر رسّی کا نشان پڑ جاتا، خود اُمیہ انھیں باندھ کر ڈنڈے مارتا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا تھا۔کھانا پانی بھی نہ دیتا ہے بلکہ بھوکا پیاسا رکھتا تھا اور اس سے بھی بڑھ کر ظلم یہ کرتا کہ جب دوپہر کو گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ کے پتھریلے کنکروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا۔پھر کہتا: خدا کی قسم! تو اس طرح پڑا رہے گا، یہاں تک کہ مر جائے یا محمد ﷺ کے ساتھ کفر کرے، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی فرماتے :اَحَدْ اَحَدْ

یہ سختیاں اور مظالم ان کے صبر و استقلال میں ذرا برابر بھی لغزش نہ پیدا کر سکے بلکہ ان کے عزائم مزید پختہ ہو گئے۔اللہ تعالیٰ بھی یہی جذبہ پسند کرتا ہے اور صبر کرنے والے کو بے حد نوازتا ہے ۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَاصبِر فَإِنَّ اللَّهَ لا يُضيعُ أَجرَ المُحسِنينَ ﴾ (سورۃ ھود:115)

''اور صبر کیے رہو کہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّما يُوَفَّى الصّٰبِرونَ أَجرَهُم بِغَيرِ حِسابٍ﴾ (سورۃ الزمر)

''صبر کرنے والے کو بغیر حساب بدلہ دیا جائے گا۔''

الغرض یہ کہ نوجوان کا شیوہ ہونا چاہیئے کہ انھیں کسی بھی طرح کی مشکل یا مصیبت پیش آئے تو وہ ضبطِ نفس، ثابت قدمی اور صبر سے کام لیں۔

6۔ کبر و غرور سے اجتناب

﴿وَلا تُصَعِّر خَدَّكَ لِلنّاسِ وَلا تَمشِ فِي الأَرضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لا يُحِبُّ كُلَّ مُختالٍ فَخورٍ ﴾ (سورۃ لقمان:18)

''اور لوگوں کے سامنے اپنی گال نہ پھلا، اور زمین پر اِترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے اور شیخی بگھارنے والے کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔''

انسان جب غرور کا لبادہ اوڑھ لے، تو تکبر سے اُس کی گردن اکڑ جاتی ہے، اس کی چال میں بناوٹ پیدا ہو جاتی ہے، اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ترش رویہ اختیار کر لیتا ہے۔یہ عموماً ہمارے نوجوانوں میں زیادہ ہے اور معاشرے میں پھیلے طبقاتی نظام نے اس کو مزید ہوا دی ہے۔یوں امیر اور غریب ،

سرمایہ دار اور مزدور میں ایک طویل خلیج حائل ہو گئی ہے۔اس کا براہِ راست اثر نئی نسل پر ہو رہا ہے۔عیاشیوں کے نام پر لٹائی جانے والی دولت ، فیشن ، نمائش اور خاص طور پر اپنی کمیونٹی میں شہرت اور چرچا کروانے میں نوجوان اپنا وقت برباد کرتے ہیں۔

اس کشمکش کے سبب عاجزانہ رویوں کو چھوڑ کر تکبر جیسی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہیں۔ زندگی سے متعلق بنیادی نصیحتوں کے بعد حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو غرور سے اجتناب برتنے کی تلقین کی نیز یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں فرماتا۔ قرآنِ مجید میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (سورۃ لقمان:18)

”بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔“

عارضی آسائشوں کو ذاتی جاگیر تسلیم کر کے آج کا نوجوان اپنے بے جا تکبر کے سبب اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جارہا ہے اور یوں اپنے مقاصدِ حیات سے بے پرواہ ہے۔ حضرت لقمان کی اس اخلاقی نصیحت کی دورِ جدید کے مسلمانوں کو بے حد ضرورت ہے۔نوجوانوں میں محبت ، اتحاد، اخوت کی کمی کی بنیادی وجہ یہ اخلاقی گراوٹ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک بار فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» (صحیح مسلم:91)

”جنت میں وہ شخص نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرا سا بھی کبر ہو۔اس پر ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ !ہر شخص یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتے اچھے ہوں ، تو رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے ، اور جمال کو پسند کرتا ہے ، کبر و تکبر تو حق سے سرکشی اور لوگوں کی تحقیر یعنی لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے۔“

اسلام تمام مسلمانوں کو برابری کا درس دیتا ہے ، جبکہ تکبر کے نتیجے میں امتیاز کے درجے قائم ہوتے ہیں۔اللہ کے عاجز بندے نرم رویہ اختیار کرتے ہیں ۔وہ شائستہ اور مؤدب انداز اپناتے ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف میں قرآن مجید ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَعِبادُ الرَّحمٰنِ الَّذينَ يَمشونَ عَلَى الأَرضِ هَونًا﴾ (سورۃ الفرقان:63)

”اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں۔“

7۔رفتار و آواز میں اعتدال

مال و دولت ، جاہ و منصب اور طاقت کی وجہ سے بعض دفعہ انسان کو کبر و غرور کا رَوگ لگ جاتا ہے جس کا اظہار اُس کی چال اور آواز کے بدل جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنی آخری نصیحت میں چال اور آواز میں میانہ روی کی تلقین فرمائی:

﴿وَاقصِد فى مَشيِكَ وَاغضُض مِن صَوتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الأَصوٰتِ لَصَوتُ الحَميرِ﴾ (سورۃ لقمان:19)

”اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست کر ، یقیناً آوازوں میں سب سے بد تر آواز گدھے کی آواز ہے۔“

رفتار اور آواز کے آداب سے مرصع ہونے کے بعد ہی انسان بے ادبی اور بد اخلاقی کی لعنت سے دور رہ سکتا ہے۔کیونکہ یہ سب حیوانی صفات ہیں جو انسان کو انسانیت سے گرا دیتی ہیں۔بدقسمتی سے یہ اخلاقی برائی بھی نوجوانوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ہمارے نوجوان عجلت کا شکار ہے۔اپنی وضع قطع ، چال ڈھال میں کافروں کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں جس کے باعث نہ تو اخلاقی صفات سے مزّین ہیں اور نہ منظم۔اس لیے نہ صرف نوجوانِ دین کو اپنی رفتار میں اعتدال برتنا چاہیئے بلکہ آواز میں بے اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کرنا ہے۔وہی قوم یا گروہ منظم مانا جاتا ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہوں۔انسان اپنی انھی صفات ہی کی وجہ سے اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز ہے۔اس لیے بے ادب اور بے ربط آواز بہتر ہوتی تو گدھوں کی آواز سب سے بہتر ہے۔ جبکہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ، فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِنَّهُ رَأَى شَيْطَانًا» (صحیح بخاری:3303)

”جب تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو کیونکہ وہ فرشتہ کو دیکھ (کر یہ آواز نکالتا) ہے اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگا کرو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔“

یہ تھے وہ سات نصائح جو قرآنِ کریم نے حضرت لقمان کی زبانی بیان کیے ہیں۔چنانچہ ایک نوجوان جب راہِ راست اختیار کرے تو اس کے لیے بنیادی امر عقائد و نظریات کی پختگی ہونا چاہیئے۔نوجوانوں کے لیے پہلی تاکید توحید ہے۔اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد دوسری اہم چیز اللہ تعالیٰ کو غالب و قادر اور باخبر تسلیم کرنا ہے۔نیز اس پر توکّل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔عقائد کے بعد نوجوانوں میں عبادات کے شعور اجاگر کرنے اور بالخصوص حقوق اللہ ادا کرنے کے لیے نماز کی تلقین کی گئی ہے۔توحید ، اللہ تعالیٰ کی بڑائی سے واقف ہونے اور عبادات کی ادائیگی کے بعد ایک نوجوان کو معاشرے کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔اس فریضہ کی ادائیگی میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کا حکم ہے۔مسلمانوں میں اخوت ، محبت اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھانے کے لیے تکبر ، آواز و رفتار میں بے ڈھنگا پن سے دور رہنے

کی اور نوجوانِ دین کو ہر حال میں سادگی، میانہ روی اور عاجزی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ ہیں وہ سات اُصول جن پر عمل کر کے آج کے نوجوان اپنی الجھی ہوئی زندگی کو آسان بنا سکتے ہیں۔ قبل اس سے کہ ربّ العالمین کے سامنے جواب دہ ہونے کا وقت آجائے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

« لاَ تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَا فَعَلَ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَا أَبْلاَهُ » (جامع ترمذی:2417)

"کسی بھی شخص کے قدم روز قیامت آگے نہ اُٹھ سکیں گے، یہاں تک کہ وہ اس سے پوچھا جائے: اس کی عمر کے بارے میں، کہاں صرف کی؟ اس کے علم کے بارے کہ اس پر کتنا عمل کیا؟ اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کس میں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں کہ کہاں اس کو کھپایا؟"

حل

ان سات نکات کے علاوہ نوجوانوں کو اپنی شخصیت نکھارنے کے لیے درج ذیل عوامل کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، یہ شریعت مطہرہ کی دیگر تعلیمات سے معلوم ہوتے ہیں:

a نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ مقاصدِ حیات کو پہچانیں۔

b ہر حال میں اللہ کی مدد پر یقین رکھیں اور وسوسے و مایوسی سے بچیں۔

c روزانہ اپنے ضمیر کی عدالت میں اپنا احتساب کریں۔

d زندگی کے ہر معاملے میں انصاف کریں۔ وقت، محنت، تعلیم، فرائض، عبادات، معاملات، غرض ہر حق جو مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے، اس میں انصاف کریں۔

e تاریخ اسلام میں جو بڑے لوگ گزرے ہیں اُنھیں اپنا آئیڈیل بنائیں، نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سب سے بڑی آئیڈیل ہے اور دیگر سلف صالحین کی زندگی کو اپنا نمونہ بنائیں۔

f اپنے ارد گرد کی دنیا، اس میں پائے جانے والے اَسرار و رموز، حقائق پر غور و فکر کریں۔

g اپنا عمل اپنے قول کے مطابق کریں۔

h تبلیغ کریں، پڑھائی نہ چھوڑیں بلکہ تبلیغ دین کے لیے علمی، فکری صلاحتیں بڑھانا اہم مقاصد میں سے ہے۔

i اپنا اُسلوب بیان بہتر کریں، نیز آپ کی تبلیغ میں دلائل، ثبوت اور پختگی ہو۔

j فرصت کے اوقات میں اپنی گھروں میں مجالس کا اہتمام کریں۔ جس میں اقربا، دوستوں سے حالاتِ حاضرہ کے موضوعات کو زیرِ بحث لائیں۔

k شہرت حاصل کرنے اور امیر بننے کی منصوبہ بندی نہ کریں، بلکہ اچھے انسان اور اچھے مسلمان بنیں، کامیاب آپ خود ہو جائیں گے۔

l آپ کے مسائل خواہ تعلیمی، نظریاتی معاشرتی، اقتصادی یا سیاسی ہوں، اُنھیں دینِ اسلام کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔

m عالمِ اسلام کو لاحق خطرات کا ادراک کریں۔ جن میں عیسائی، یہودی، ہندو، صہیونی، مرزائی، کیمونسٹ اور دیگر بیرونی قوتیں اسلام کے خلاف اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہیں۔

n موجودہ دور میڈیا کا دور ہے۔ اس کے ذریعے دین کی دعوت اور نشر و اشاعت پر توجہ دیں اور لغویات سے اجتناب برت کر وقت اور نفس کی حفاظت کریں۔

o آزادی کے نام پر بے حیائی سے بچیں، نہ دینِ اسلام میں ایسی آزادی کی گنجائش ہے اور نہ ایسی بے حیائی کی، پاکدامنی اور حیا کا راستہ اختیار کریں۔

p اُمّتِ مسلمہ ایک وحدت ہے۔ اسے جھنڈوں، فرقوں، ذات، لسانیت، ثقافت، حد بندیوں میں تقسیم نہ سمجھیں۔ بلکہ آپس میں محبت کریں، نیک عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ کیونکہ ایک حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

«الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ» (جامع ترمذی: 2670)

"جو لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کے لیے اتنا ثواب ہے، جتنا اس پر عمل کرنے والے کو ملتا ہے۔"

جامع مسجد برمنگھم کے دیرینہ نمازی حاجی مرزا خان دار البقاء کو کوچ کر گئے

جامع مسجد گرین لین برمنگھم کے دیرینہ نمازی بزرگوار حاجی مرزا خان بھی دار البقاء کو کوچ کر گئے، وہ آخری لحہ تک باہوش وحواس نمازیں ادا کرتے رہے۔ لمبا قد، دبلا چھریرا بدن، ہر نماز کے لیے گرین لین مسجد آنا جانا، بغیر عصا کے سہارے چل کر جانا آنا، ان کا معمول تھا، قد چھ سات فٹ کے درمیان، ایسا محسوس ہوتا کہ ان کا مقصد حیات بس صرف پانچ وقت مسجد میں نماز ادا کرنا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون! اللہ نے انہیں دو بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائی تھی، اہلیہ اور ایک چھوٹا بیٹا پچیس سال قبل وفات پا گئے، اب ان کے بڑے فرزند خالد خان اور ان کی اہلیہ ان کی خدمت کرتے رہے اور اجر و ثواب لوٹتے رہے۔

کسی عالم کے لیے 'تفقہ فی الدین' اللہ کی نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے جو اس کے کچھ مخصوص بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے، ان ہی خوش نصیبوں میں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل کے ساتھ دینی تفقہ کی نعمت سے بھی بہرہ ور فرمایا تھا۔ دنیائے علم میں آپ کی شخصیت بڑی قدر آور تھی اور عالم اسلام میں آپ کی علمی ثقاہت مسلم تھی۔ آپ کا خصوصی موضوع اگرچہ علم حدیث تھا، مگر آپ کا فقہی مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا اور علوم فقہ پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبحر علمی کے ساتھ وسعت نظری اور دینی بصیرت سے بھی نوازا تھا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

علمائے اہلحدیث کے متعلق بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ ان کو علم فقہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور یہ حضرات فقہائے کرام اور کتب فقہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، حالانکہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ ممکن ہے یہ غلط فہمی بے خبری یا تنگ نظری کا نتیجہ ہو۔ اس غلط تاثر کے ازالے اور تردید کے لیے خود شیخ الحدیث مولانا مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی روشن مثال کافی ہے۔ موصوف نے فقہائے عظام کو اور ان کی دینی خدمات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اپنے فتاویٰ میں قرآن وحدیث کے حوالوں کے علاوہ فقہاء کے اقوال اور ان کے دلائل کو بھی کثرت سے ذکر کیا ہے اور ایک ایک بات کو مستند کتب فقہ کے مکمل حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ذیل میں ایسی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں، جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ موصوف کا فقہی مطالعہ کس قدر وسیع تھا اور فقہاء کی آراء کو پیش کرنے میں آپ کس قدر وسیع النظر اور وسیع القلب تھے۔

راقم کو شیخ سے ایک خاص قلبی تعلق تھا۔ کسی بھی مسئلے میں کوئی اشکال پیدا ہوتا یا کسی حدیث کی تشریح اور وضاحت مطلوب ہوتی تو خط کے ذریعہ حضرت شیخ الحدیث کی طرف رجوع کرتا۔ ہفتہ عشرہ میں اس کا مفصل اور تسلی بخش جواب موصول ہو جاتا اور یہ جوابات شیخ خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے تھے۔ تحریر سلجھی ہوئی، زبان معیاری اور خط بڑا صاف ہوتا۔ جواب میں نہ کبھی زیادہ تاخیر ہوتی اور نہ کسی قسم کی تشنگی احساس ہی باقی رہتا۔ ان میں سے چند خطوط کے جواب بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں۔

ایک خط کے ذریعہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا کہ طلاق کے بعد میاں بیوی کی تفریق کی صورت میں چھوٹے بچے اور بچیاں ماں باپ میں سے کس کے پاس رہیں گے، جب کہ دونوں ہی ان کو اپنے پاس رکھنے میں مصر ہوں۔ پھر ان کی کفالت وحضانت کا حق کس کو پہنچتا ہے اور کتنی مدت تک؟ جواب میں آپ نے تحریر فرمایا تھا:

"سات برس کی عمر تک چھوٹے بچے اور بچی کی حضانت و پرورش کا حق مطلقہ ماں ہی کو ہے، الا یہ کہ وہ دوسری شادی کر لے یا اس کی اخلاقی حالت اور چال چلن قابل اطمینان نہ ہو۔ سات برس کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار دے دیا جائے گا۔ چاہے وہ باپ کے یہاں رہے یا ماں کے پاس۔ بہ شرط کہ اس نے دوسری شادی نہ کر لی ہو اور اس کی اخلاقی حالت اطمینان بخش ہو اور لڑکی جب سات برس کی عمر کو پہنچ جائے تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے۔ اب باپ ہی کو پرورش کرنے کا حق ہو گا۔ اور لڑکی کو اختیار نہیں دیا جائے گا۔

وهذا عند أحمد وأما عند أبي حنيفة فالأم أحق بحضانة الجارية حتى تحيض

صورت مسؤلہ میں دونوں بچوں کا نفقہ ہر حال میں زید ہی کے ذمے ہو گا۔ یعنی یہ بچے اپنے باپ زید کے یہاں رہیں یا اپنی ماں کی پرورش میں ماں کے ساتھ رہیں۔ بہر صورت ان کا پورا خرچ زید کو دینا ہو گا۔ اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔ کما نقل ابن قدامة في المغني عن ابن منذر البتہ حنفیہ کے نزدیک لڑکے کا خرچ باپ کے ذمے اس کے بالغ ہونے تک ہے، بہ شرط کہ کسب کی قدرت رکھتا ہو اور حنابلہ کے نزدیک بالغ ہونے کے بعد بھی ہے، بہ شرط کہ وہ فقیر ومعسر ہو، غنی وموسر نہ ہو اور لڑکی کا خرچ دونوں کے نزدیک اس کی شادی اور رخصتی تک ہے۔ والله أعلم

(دستخط) عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (1386/5/11ھ)

'نماز وتر' میں قنوت سے متعلق استفسار کیا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص قنوت پڑھنا بھول جائے تو کیا اس پر 'سجدۂ سہو' لازم ہو گا؟ اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں کچھ خلل کا اندیشہ تو نہیں ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء ومحدثین کے اقوال کے ساتھ خود شیخ الحدیث کی رائے بھی دریافت کی گئی تھی، جس کا مفصل جواب موصول ہوا تھا، جو درج ذیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وتر میں سہواً یعنی بھول کر قنوت کی دعا چھوڑ دینے سے 'سجدۂ سہو' لازم آتا ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں 'قنوت فی الوتر' واجب ہے اور 'ترک واجب' جو سہواً ہو اس سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ وجوب کی دلیل بالفاظ صاحب ہدایہ یہ ہے:" قوله عليه السلام للحسن بن علي

حين علمه دعاء القنوت "اجعل هذا في وترك" (ہدایہ:125/1)

حافظ زیلعی ؒ تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں:

"وصاحب الكتاب استدل بهذا الحديث واطلاقه على وجوب القنوت فی السنة كلها وهو قوله "واجعل هذا في وترك "من غير فصل."

یعنی صیغہ امر کے ساتھ ارشاد فرمانا وجوب قنوت کی دلیل ہے لیکن حسن بن علی ؓ کی حدیث بابت 'قنوت وتر' جن کتابوں میں مروی ہے، مثلاً مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی، المنتقی لابن الجارود، البیہقی، مسند بزار وغیرہ، ان میں سے کسی کتاب میں صاحب ہدایہ کے مذکورہ الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے زیلعی ؒ لکھتے ہیں:

"ولم أجد هذا." (اللفظ) فی الحديث."

امام شافعی ؒ اور جمہور شافعیہ صرف رمضان کے نصف ثانی میں "استحباب قنوت فی الوتر" کے قائل ہیں اور اس کے ترک پر 'سجدہ سہو' کے بھی قائل ہیں۔

امام نووی ؒ میں لکھتے ہیں:

" ولو ترك القنوت فی موضع نستحبه" (وهو النصف الثاني من رمضان) سجد للسهو ولو قنت فی غير النصف من رمضان وقلنا لا يستحب سجدة للسهو وحكى الرؤياني وجها أنه يجوز القنوت فی جميع السنة بلا كراهة ولا يسجد للسهو بتركه في غير النصف قال وهذا اختيار مشائخ طبرستان واستحسنه." (انتهى) (روضۃ الطالبین:230)

امام اوزاعی ؒ اور اسماعیل بن علیہ ؒ سجدۂ سہو کے قائل نہیں ہیں اور حماد بن سلمہ، سفیان ثوری اور ہیثم ؒ سجدۂ سہو کے قائل ہیں۔

حضرت حسن بصری ؒ سے ایک روایت ہے:

"إذا نسی القنوت فی الوتر سجد سجدتی السهو وفی رواية ان قنت يعنی فی الوتر فحسن وإن لم يقنت فليس عليه شيئ." (كذا فی قيام الليل مع كتاب الوتر للمروزي: ص 141)

حنابلہ پورا سال قنوت فی الوتر کی مسنونیت کے قائل ہیں۔ ابن قدامہ ؒ لکھتے ہیں:

" إن القنوت مسنون فی الوتر وفي الركعة الواحدة فی جميع السنة هذا المنصوص عند أصحابنا... الخ"(المغنی:151/2)

امام احمد ؒ ترک قنوت پر سجدۂ سہو کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ امام مروزی ؒ لکھتے ہیں:

"وعن أحمد إن كان ممن تعود القنوت فليسجد سجدتی السهو." (قیام اللیل: ص 141)

ہمارے نزدیک 'قنوت فی الوتر' واجب نہیں ہے بلکہ پورا سال محض سنت ہے، لیکن دیدہ و دانستہ یعنی عمداً چھوڑنا نہیں چاہیے اور جب واجب نہیں ہے تو عمداً یا نسیاناً ترک کر دینے سے سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہو گا اور ترک سجدۂ سہو سے نماز میں خلل نہیں ہو گا۔ هذا ما عندي والله أعلم

(دستخط: عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، 24/9/96ھ)

نوٹ: یہ استفتاء 18/ رمضان المبارک کو بھیجا گیا اور 24/ کو وہاں سے جواب ارسال کر دیا گیا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سائل کو زحمت انتظار سے بچانے کا کس قدر خیال رکھا جاتا تھا اور ساتھ ہی تفصیلی جواب سے اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیخ الحدیث کا کتب حدیث و فقہ کا مطالعہ کس قدر وسیع تھا اور جواب میں کیسا سلجھاؤ اور اعتدال و توازن پایا جاتا تھا۔

کوئی چالیس پینتالیس سال قبل دہلی کے اخبار اہلحدیث میں عیدگاہ کے آداب سے متعلق جو اداریہ شائع ہوا تھا، اس میں صحیح مسلم کے حوالے سے کہا گیا تھا کہ "حضرت ابو سعید خدری ؓ نے عیدگاہ میں منبر کو مروان کی بدعت کہا ہے۔"

اس سلسلے میں راقم نے ایک خط مدیر کے نام اور دوسرا شیخ الحدیث کے نام لکھ کر اس حدیث کے متعلق استفسار کیا تھا تو شیخ نے جو جواب ارسال فرمایا تھا، وہ درج ذیل ہے:

"میرے علم میں صحیح مسلم میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت ابو سعید خدری ؓ نے عیدین میں منبر پر خطبہ دینے کی مخالفت کی تھی۔ مسلم میں جو الفاظ ہیں، ان سے صراحتاً صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'حضرت ابو سعید خدری ؓ نے نماز سے پہلے خطبہ دینے کی مخالفت کی تھی۔"

البتہ مسند احمد، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند بیہقی میں بروایت ابو سعید خدری ؓ یہ مذکور ہے:

" قال (أبو سعيد) أخرج مروان المنبر في يوم عيد ولم يكن يخرج به وبدأ بالخطبة قبل الصلوة ولم يكن يبدأ بها قال فقام رجل (فی المنبهات أنه عمارة بن ربية الصحابي) فقال يامروان خالفت السنة (أي خالفت الطريقة التي كان عليها النبي ﷺ وأصحابه بإخراج المنبر للخطبة عليه وبخطبته قبل الصلوة) أخرجت المنبر يوم عيد ولم يك يخرج به في يوم عيد وبدأت بالخطبة قبل الصلوٰة ولم يك يبدأ بها فقال أبو سعيد الخدري من هذا؟ قالوا فلان بن فلان فقال أبو سعيد أما هذا فقد قضى ما عليه (الحديث)

یہ روایت آپ کی نظر سے گذری ہو گی۔ ادارۂ اہلحدیث کو حوالہ دینے میں غالباً سہو ہو گیا ہے۔

(دستخط عبید اللہ رحمانی مبارکپوری(9/11/85ھ)

موصوف محترم کے کچھ اور خطوط تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکے۔ لیکن آپ کی جلالت علمی و دینی اور بصیرت فقہی کو سمجھنے کے لیے یہی چیزیں کچھ کم نہیں ہیں۔

شیخ کی وفات عموماً امت مسلمہ اور خاص طور پر جمعیۃ اہل حدیث کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے۔ قوم وملت اور مسلک اہل حدیث کی فلاح کے لیے حقیقی معنوں میں اپنی ساری زندگی قربان کرنے والی ایسی علمی شخصیت کبھی کبھی رونما ہوتی ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جس طرح شیخ نے اپنی ساری صلاحیتیں قوم وملت اور مسلک اہل حدیث کی خدمت میں صرف کر دیں۔ امت کے ہزاروں فرزند شیخ کے شیدائی بنے۔ ان کی انڈیا، سعودیہ عرب اور برطانیہ سے جڑی یادوں کا ذکر کرنے کے لیے باقاعدہ ایک کتاب درکار ہے۔ شیخ کی علمی ودینی کارگزاریوں کا مکمل احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ یہاں چند اہم یادیں سطر کر رہا ہوں۔

میری ابتدائی تعلیم مدرسہ سبل السلام پھاٹک حبش خاں میں ہوئی۔ شیخ خلجی صاحب کی بھی ابتدائی تعلیم مدرسہ سبل السلام میں ہی ہوئی تھی۔ مولانا عبدالصمد رحمانی میرے اور ان کے بھی استاد تھے اور ناظم محمد شفیع صاحب اس مدرسہ کے نگراں تھے۔ جس سال میں مدرسہ سبل السلام میں داخل ہوا تھا، شیخ خلجی صاحب جامعہ سلفیہ بنارس سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔

شیخ خلجی صاحب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے دنوں تعطیلات میں ہندوستان تشریف لائے تو دوران سفر آپ نے دہلی میں قیام فرمایا۔ وہیں شیخ سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ مگر ہم دونوں کے گھرانوں میں بہت پرانے تعلقات تھے۔ دراصل میرے دادا مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصروں میں سے تھے اور جمعیت اہل حدیث کے مبلغ تھے۔ وہ وعظ ونصیحت کے لیے پنجاب کے شہر مالیر کوٹلہ بھی جایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے جماعت کے سبھی احباب خصوصاً شیخ کے والد محترم عبدالواحد صاحب اور ان کے خاندان سے قریبی تعلق قائم ہوگئے تھے۔ جس کا ذکر میرے والد ڈاکٹر عبدالقدوس اور شیخ کے والد محترم جناب عبدالواحد صاحب اپنی ملاقات کے دوران کرتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب صاحب کارشتہ دہلی کے اہم اور معروف دینی گھرانے میں طے پایا۔ مجھے بھی دعوت نامہ ملا اور اس مبارک محفل میں شرکت کا موقع ملا۔ دعوت ولیمہ میں مالیر کوٹلہ بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ اس طرح چند ہی ملاقاتوں میں ہماری دوستی بہت بے تکلف اور قریبی ہوگئی۔ ہم اپنے گھریلو مسائل جماعتی معاملات پر بلا تکلف مشورہ کیا کرتے تھے۔ چونکہ میں شیخ خلجی صاحب کے قریبی دوستوں میں سے تھا، لہٰذا ان کی زندگی کے حالات اور ان کی زندگی کے رات دن اور جمعیت یا قوم کے لیے خلوص جاں نثاری اور قربانیوں کا میں عینی شاہد ہوں۔

جس وقت آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم تھے، اسی وقت سے جماعت اور مسلک کی ترقی اور مسلک حق کی دعوت کے لیے ان کے دل میں جذبہ بھرا ہوا تھا۔ لہٰذا محبین مسلک اہلحدیث نے مدینہ یونیورسٹی میں ایک کمیٹی بنائی جس میں شیخ عبدالصمد الکاتب، دکتور اسحاق، خلجی صاحب اور دیگر احباب شامل تھے۔ یہ تمام صاحبان جمعیت اہل حدیث ہندوستان کو متحرک کرنے کے لیے دہلی آئے۔ جماعت کے احباب اور اکابرین سے میٹنگ اور اجتماعات کیے اور ایک بڑا اجتماع مسجد میاں صاحب پھاٹک حبش خاں میں ہوا۔ جس میں جماعت اہل حدیث ہند کے سارے بڑے بڑے مسؤلین جمع کیے گئے اور جماعت میں دعوتی اور مسلکی نشاط پیدا کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کی گئیں اور جب خلجی صاحب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد واپس ہندوستان آئے تو آپ نے اپنے شب وروز یہاں تک کہ اپنا سب کچھ جماعت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

ایک بار شیخ خلجی صاحب کے ہمراہ ریاض کے سفر کا موقع ملا۔ ماہ رمضان تھا اور جمعیت کے مختلف اداروں سے تبرعات جمع کرنے کی غرض سے علماء تشریف لائے تھے۔ جن میں مولانا عبدالحمید رحمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبداللہ نیپالی رحمۃ اللہ علیہ جیسی اہم شخصیات قابل ذکر ہیں۔ وہاں نہ صرف ان تمام شخصیات سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا بلکہ مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات کا موقع بھی ملا۔

ہندوستان آنے کے بعد شیخ نے متعدد اداروں میں درس وتدریس کا کام انجام دیا۔ شیخ کی علمی میدان میں خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں صوبائی جمعیت اہلحدیث پنجاب کا صدر بنا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد تو ان کی کامیابیوں کا طویل سفر شروع ہوگیا اور مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم عمومی کے منصب پر فائز ہوئے۔ جس وقت شیخ نے جمعیت کی نظامت کا عہدہ سنبھالا، اس وقت تک جمعیت عوام میں بہت زیادہ متحرک نہیں تھی۔ شیخ نے اپنی کوششوں سے جمعیت کو ہندوستان کے شہر شہر گاؤں گاؤں میں متعارف کروایا۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ اپنے عہدہ پر لگاتار پندرہ سال تک فائز رہے۔

شیخ نے جہاں بہت سی علمی خدمات انجام دیں وہیں بہت سے اداروں کی رکنیت، نظامت، صدارت کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔ بہت سی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور متعدد ممالک کے حکمرانوں سے ملاقات کر کے امت مسلمہ کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔ شیخ کی علمی اور فلاحی خدمات پر بہت سے اداروں نے ایوارڈ اور توصیفی اسناد سے بھی نوازا جن کی ایک لمبی فہرست ہے۔

ان سب کے باوجود شیخ نے اپنی پوری زندگی بہت ہی سادگی سے گزاری۔ پندرہ سال جمعیت کی نظامت کے فرائض انجام دینے کے باوجود اپنے دامن کو داغ دار نہ ہونے دیا۔ یہ شیخ کی ایمانداری کا ثبوت ہے۔ شیخ کی ایک خوبی جو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی تھی وہ یہ کہ مولانا جمعیت اہلحدیث کے ناظم عمومی رہ چکے تھے، اس کے باوجود دیگر مسالک کے علماء کی نظر میں بھی محترم سمجھے جاتے تھے اور ان کی دینی خدمات کو سراہا جاتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے شیخ کئی غیر اہل حدیث تنظیموں کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔

شیخ نے مالیر کوٹلہ میں جامعہ ثناء اللہ امرتسری قائم کیا تھا، جو الحمد للہ اب تک بحسن وخوبی چل رہا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی جدوجہد سے کئی مساجد اور اسلامی مدارس تعمیر کرائے جو قابل ذکر ہیں۔

شیخ ہمارے گاؤں بھوجپور بھی تشریف لایا کرتے تھے اور وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جماعت کے تمام ذمہ داران سے ملاقات کر کے ان میں ذمہ داری کا احساس جگایا کرتے تھے۔ لہٰذا آج بھی بھوجپور جماعت کے اکابرین کی آپ کے ذکر خیر پر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ وہاں آپ کے محبین میں حاجی قلندر، حاجی سکندر، حاجی یوسف، مستری عبد السلام، ڈاکٹر عبد السلام، حاجی چوہدری طاہر حسن، مولانا حفظ الرحمٰن اور ان کے اہل وعیال دل سے دعا گو رہتے ہیں۔

گاؤں بھوجپور میں آپ کے دعوتی پروگرام سے متاثر ہو کر گاؤں دہرہ ضلع غازی آباد میں بھی جمعیت اہلحدیث کی مسجد کا قیام عمل میں آیا۔ وہاں آپ کے محبین میں میرے بہنوئی جناب عاشق الٰہی صاحب ان کے صاحبزادے کنور مبارک علی، کنور وسیم احمد، کنور عبد الرحیم و دیگر احباب قابل ذکر ہیں۔ دہرہ گاؤں مسلک حق سے بہت دور تھا بلکہ شرک وبدعت کا گہوارہ تھا اور مسلک حق کی بات کرنا بھی وہاں مشکل تھا مگر 1970ء میں میری بڑی بہن مرغوب النساء نے قرآن کی تعلیم کے لیے درسگاہ قائم کی، اس میں نہ صرف قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی بلکہ عقیدہ توحید کی بھی تبلیغ کی جاتی تھی اور الحمد للہ ان کی محنت اور کاوشوں سے بہت سے گھرانوں نے شرک وبدعات جیسی خرافات سے توبہ کی۔ انہوں نے بھی اپنی پوری زندگی مسلک حق اہلحدیث کو لوگوں کے گھروں میں پہنچانے کے لیے وقف کر دی تھی۔ یہ سب اللہ کا فضل وکرم اور شیخ خلجی صاحب جیسے محبین دعوۃ توحید کے اثرات ہیں۔

شہر سہارنپور میں جمعیت اہلحدیث کا قیام

شیخ نے اپنی شب وروز کی جدوجہد سے ڈاکٹر عتیق خاں صاحب کو تیار کیا اور ان کی ہر قسم سے مدد فرمائی کہ سہارنپور جیسے مسلم شہر میں جماعت کا مرکز اور مسجد کا قیام عمل میں آیا۔

جب میں مکہ میں زیر تعلیم تھا اور آپ سعودی حکومت کی دعوت پر، رابطہ عالم اسلامی کی دعوت یا کسی بھی موقع پر جمعیت کی نمائندگی کے لیے مکہ تشریف لاتے تو ملاقاتیں ہوتیں، بلکہ بہت سارے پروگراموں میں مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ مکہ اور مدینہ میں یوں تو آپ کے دوست واحباب لاتعداد تھے مگر ان میں بعض بہت قریبی تھے جن کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فضیلۃ الشیخ دکتور وصی اللہ عباس صاحب، شیخ اگر کسی رسمی دعوت پر ہوٹل میں قیام پذیر نہ ہوتے تو شیخ وصی اللہ عباس صاحب کے گھر میں قیام فرماتے۔ شیخ وصی اللہ صاحب کا گھر نہیں بلکہ جمعیت اہلحدیث اور دعوت توحید کے احباب کا مرکز سمجھیے۔ شیخ وصی اللہ صاحب حرم شریف کے مفتی اور مدرس ہیں۔ حرم شریف میں لیکچر دیتے ہیں، مکہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ جہاں سبھی اہلحدیث مبلغین کو خوش آمدید کہا جاتا تھا، مکہ میں شیخ کے خصوصی احباب میں ڈاکٹر جاوید بنارسی مرحوم، ڈاکٹر جمال اختر صاحب، ڈاکٹر عبد الوہاب صاحب، ڈاکٹر عبد اللہ، ڈاکٹر عزیز شمس صاحب، دکتور عبد العلیم مرحوم صاحب، ڈاکٹر عبد اللہ بنارسی صاحب وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

خلجی صاحب دعوت وتبلیغ کے لیے یا جماعت اہلحدیث کی نمائندگی کے لیے عالمی کانفرنسوں میں شرکت فرماتے تھے۔ لہٰذا بہت سارے ملکوں کا دورہ کرنا پڑتا تھا۔ کئی بار جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی دعوت پر برطانیہ تشریف لائے۔ جماعت کی بہت ساری (برانچوں) مسجدوں اور مدرسوں کا دورہ کیا۔ آپ کی تقریروں کو لوگ غور سے سنتے اور بہت متاثر ہوتے اور بار بار ان سے ملنے اور ان کے وعظ سننے کے خواہش مند رہتے۔ یہاں آپ کے چاہنے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ لہٰذا یہاں کی معروف شخصیات جو شیخ خلجی صاحب کے محبین میں شامل ہیں ان میں پہلی اور بڑی اسلامی شخصیت ڈاکٹر صہیب حسن صاحب ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی پیدائش بھی شہر مالیر کوٹلہ کی ہے۔ شیخ صہیب حسن جماعت اہلحدیث برطانیہ کے سابق امیر ہیں اور مسجد اہلحدیث مسجد توحید لندن اور اسلامک شریعہ کونسل کے بانی ہیں۔ شیخ محمد عبد الہادی العمری سابق امیر جماعت اہل حدیث یوکے اور برطانیہ کے مشہور مبلغ شیخ شعیب احمد میرپوری سابق ناظم جمعیت اہلحدیث برطانیہ، موجودہ امیر جمعیت اہلحدیث مولانا ابراہیم میرپوری صاحب، نائب امیر مولانا حفیظ اللہ خان المدنی صاحب، موجودہ ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، شیخ شفیق الرحمٰن شاہین امام وخطیب مسجد اولڈھم، یوکے وغیرہم

☆☆☆

نویں حدیث:

عَنْ عَائِشَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا - قَالَتْ «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ، وَتَرَجُّلِهِ، وَطُهُورِهِ، وَفِي شَأْنِهِ كُلِّهِ»

(رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل، برقم: 168، ومسلم، كتاب الطهارة، باب التيمن في الطهور وغيره، برقم: 268)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو دائیں طرف سے آغاز کرنا پسند تھا اپنا جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے اور اپنے تمام کاموں میں۔

حدیث مبارکہ کی مختصر تشریح اور اس سے حاصل ہونے والے بعض مسائل:

a صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ ﷺ کے عادتی امور کی حرکات وسکنات کو بھی توجہ کے ساتھ دیکھنا، پھر اس کو بیان کرنا اور عمل کرنا۔

b رسول اللہ ﷺ کا کسی عادتی امر میں پسندیدگی کا اظہار کرنا، امت کے لیے شریعت بنتا ہے۔

c رسول اللہ ﷺ کے تعبدی امور میں اطاعت واتباع واجب ہے، جبکہ عادتی امور میں مستحب ہے۔

d رسول اللہ ﷺ کا ہر اچھے وپاکیزہ کام کو دائیں طرف سے پسند فرمانا اس سے دائیں جانب کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مسند احمد وغیرہ کی صحیح حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں اور بائیں کندھے سے ان کی اولاد نکالی، دائیں کندھے سے نکلنے والی اولاد جنتی ہے اور بائیں طرف سے نکلنے والی جہنمی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی سورۃ الواقعہ کی آیت 27 تا 56 میں اصحاب الیمین (یعنی دائیں طرف والے) جنتیوں کو کہا گیا ہے اور اصحاب الشمال (یعنی بائیں طرف والے) کو جہنمی کہا گیا۔ اسی طرح سورۃ الحاقہ آیت 19 تا 37 میں نامہ اعمال کا دائیں طرف سے ملنے والوں کا جنتی ہونا اور بائیں طرف سے ملنے والوں کا جہنمی ہونا بیان ہوا ہے، ان سے دائیں جانب کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

e جوتا پہننا اور کنگھی کرنا بھی سنت ہے۔ اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دنیاوی جائز زیب وزینت اختیار کرنا تقویٰ اور دینداری کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہوا ہے جو ہمیشہ ننگے پاؤں رہنے، کنگھی نہ کرنے اور صفائی ستھرائی نہ کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں۔

f اس حدیث کے مطابق جوتا پہننے سے مراد جوتا اور ہر وہ چیز جو پاؤں میں پہنی جاتی ہے، مثلاً موزہ، جراب اور کپڑے (لباس) وغیرہ شامل ہے۔ اسی طرح کنگھی کرنے میں بالوں کو تیل لگانا ان کو کترانا اور منڈوانا وغیرہ شامل ہے۔

g طہور میں وضو، غسل اور ہاتھوں وغیرہ کا دھونا شامل ہے۔

h وفی شانہ کلہ سے جوتا، موزہ وغیرہ پہننا، بالوں میں کنگھی، تیل وغیرہ اور وضو اور غسل وغیرہ کے کاموں کی طرح کے اچھے اور طہارت والے کام مراد ہیں۔ یہاں کل (تمام) سے مراد کلی تمام نہیں ہیں بلکہ اچھے کام مراد ہیں۔ جیسا کہ حدیث کے مطابق بائیں ہاتھ سے استنجا، بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا اور مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکالنا وغیرہ سنت ہے۔

دسویں حدیث:

عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ (فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ)

وَفِي لَفْظٍ «رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَتَوَضَّأُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ حَتَّى كَادَ يَبْلُغُ الْمَنْكِبَيْنِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ حَتَّى رَفَعَ إِلَى السَّاقَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - ﷺ - يَقُولُ إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ (فَمَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ)

وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: سَمِعْتُ خَلِيلِي - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: «تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنْ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوءُ»

(رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب فضل الوضوء والغرُّ المحجّلون من آثار

الوضوء، برقم: 136، واللفظ له، ورواه مسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة، والتحجيل في الوضوء، برقم: 246، رواه مسلم، كتاب الطهارة، باب تبلغ الحلية حيث يبلغ الوضوء، برقم: 250)

والغرة: البَيَاضُ الَّذِي يَكُوْنُ فِي وَجْهِ الفَرس.

والتحجيل: بياض يكون في قوائم الفرس.

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

حضرت نعیم المجمر رحمۃ اللہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یقیناً میری امت کو قیامت کے دن اس حالت میں بلایا جائے گا کہ ان کے اعضاء وضو ہاتھ، پاؤں اور چہرہ وضو کے اثرات کی وجہ سے چمکتے اور سفید ہوں گے۔ (لہٰذا تم میں سے جو کوئی اپنی چمک کو لمبا کرنا چاہے تو وہ ایسا کر لے۔)

دوسری روایت میں ہے یہ مذکور ہے: "میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا تو آپ نے اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ کندھوں تک پہنچ جائیں۔ پھر آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے یہاں تک کہ دونوں پنڈلیوں تک لے گئے۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ فرماتے ہیں: "یقیناً میری امت کو قیامت کے دن اس حال میں بلایا جائے گا کہ ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے وضو کے اثرات کی وجہ سے چمکتے ہوں گے۔ (پس تم میں سے جو یہ طاقت رکھتا ہے کہ وہ اپنی چمک کو لمبا کرے تو اسے ایسا کر لینا چاہیے۔)

اور صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: " میں نے اپنے خلیل ﷺ سے سنا، آپ فرماتے ہیں: "مؤمن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو پہنچے گا۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

الغرۃ: اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑوں کی پیشانی میں ہوتی ہے۔

التحجیل: اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے پاؤں میں ہوتی ہے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

a قیامت کے دن امتوں کو بلائے جانے کا ذکر۔

b وضو کی فضیلت اور اس وجہ سے باقی امتوں کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ کی امت کی فضیلت اور اس کے اعزاز اور امتیاز کا ذکر۔

c اس حدیث کے مطابق وضو کے اعضاء کی حد سے زیادہ دھونے کی ترغیب ہے مگر اہل علم کے نزدیک بریکٹ والے الفاظ یعنی (فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ) "پس تم میں سے جو یہ طاقت رکھتا ہے کہ وہ اپنی چمک وسفیدی کو لمبا کرے تو اسے ایسا کر لینا چاہیے۔" مدرج ہیں، یعنی یہ الفاظ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے معلوم ہوتے ہیں مگر در حقیقت یہ الفاظ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اپنے ہیں جن کو صرف سیدنا نعیم المجمر رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے، اور مسند احمد میں یہی حدیث حضرت فلیح رحمۃ اللہ کے واسطے سے ہے وہ سیدنا نعیم المجمر رحمۃ اللہ سے بیان کرتے ہیں جس میں نعیم المجمر رحمۃ اللہ صراحت سے کہتے ہیں کہ " لَا أَدْرِيْ قوله مَن اسْتَطَاعَ ... إلخ من قول النبي ﷺ أو من قول أبي هريرة." کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہیں یا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں وضاحت کی ہے کہ یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے بجائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہیں کیونکہ یہی حدیث دس اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، ان میں سے کسی نے یہ زیادہ الفاظ نہیں بیان کیے ہیں، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت نعیم المجمر رحمۃ اللہ کے علاوہ بھی بیان کرنے والے ہیں، ان میں سے بھی کسی نے یہ زیادہ الفاظ بیان نہیں کیے۔ انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فہم ہے اور محققین کے ہاں وضو کے اعضاء سے زیادہ دھونا سنت اور مستحب نہیں ہے بلکہ وضو کے اعضاء کو ہی اچھی طرح دھونا چاہیے اور یہی سنت رسول اور عمل صحابہ ہے۔ والله أعلم بالصواب

d عالمی ربانی کا اپنی سمجھ کے مطابق حدیث پر عمل کرنا اور اس پر فتویٰ دینا درست ہے، جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کیا، مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کا فہم اور فتویٰ درست ہو۔ ایسی صورت میں اس عالم ربانی کو اخلاص اور اپنے اجتہاد کی وجہ سے اجر ملے گا مگر دوسرے لوگوں کو جب صحیح فہم اور فتویٰ مل جائے، اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

e وضو کی اخروی برکت کا ذکر کہ اللہ اس کی وجہ سے اہل ایمان کو ممتاز کرے گا اور دنیا بھی باوضو رہنے والے اہل ایمان دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

f نبی کریم ﷺ کا وضو کرنے کو مؤمن کا زیور قرار دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح دنیاوی سونا چاندی وغیرہ کے زیور سے انسان کی خوبصورتی اور جاہ جلال میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح وضو سے مؤمن کی خوبصورتی، وقار اور جاہ وجلال میں اضافہ ہوتا ہے۔

g اس حدیث سے زیور کے استعمال کے جائز ہونے پر استدلال۔ والله أعلم بالصواب

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

یورپ میں اسلاموفوبیا کی لہر تھمی نہیں بلکہ ہیجانی کیفیت رکھتی ہے، آئے دن قتل وغارت اور شعائر اسلام کی بے حرمتی کے واقعات ذرائع ابلاغ میں گونجتے سنائی دیتے ہیں۔ مخالفت اسلام کے اس سیلاب بلاخیز کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ہماری فکر نارسا کہتی ہے کہ اس مقصد کے لیے تین سطحوں پر کام درکار ہوگا۔

پہلی سطح یہ ہے کہ مسلم ادارے، تنظیمیں، مراکز و مساجد اپنی صلاحیت، قدرت، مالی وسائل کی حدود میں ان غیر مسلم مقتدر ہستیوں اور اداروں کے ساتھ بات چیت اور مفاہمت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کریں جو کسی حد تک اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، اسے حوار بين الاديان (مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ) کا نام بھی دیا جا سکتا ہے، یا مشترکات کی تلاش کے سفر کے نام سے بھی یاد کیا جا سکتا ہے۔

دوسری سطح ذرائع ابلاغ (تقریری، تحریری، صوتی، تصویری، الیکٹرانک) پر نشر ہونے والے اسلام مخالف پروپیگنڈہ کا مؤثر جواب دینے کے لیے ایسے افراد اور اداروں کو کھڑا کیا جائے جو علمی اور تحقیقی میدان کے شناور ہوں اور دلیل کا جواب دلیل سے دے سکیں اور بے دلیل لغویات کی اصلیت کو ظاہر کر سکیں۔

تیسری سطح ان حکومتی اداروں اور مجالس گفت وشنید تک اپنی بات پہنچانے کی کوشش کرنا ہے جو قوانین اور ضوابط طے کرنے کا حق رکھتے ہیں اور اپنے اس حق کو ملک میں بسنے والی اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ دینے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) اپنے موجودہ سیکرٹری جنرل محمد عبد الکریم العیسیٰ کی پُرزور انقلابی قیادت میں اب تک کئی ایسی کانفرنسیں کر چکی ہے جو اسلام میں غلو اور معاشرے میں شرپسندی اور شدت پسندی کے رجحانات کو موضوع بحث بنا چکی ہے، لیکن خود سرزمین یورپ میں، بلکہ اس کے قلب سوئزرلینڈ میں ایک کامیاب کانفرنس کا انعقاد رابطہ کی ایک قابل فخر کوشش ہے اور پھر اس کانفرنس کا اقوام متحدہ کے سب سے قدیم ہیڈکوارٹر میں منعقد کرایا جانا ایک عظیم اقدام ہیں۔ یہ کانفرنس 18۔ 19 فروری 2020ء کو منعقد ہوئی جس کے افتتاحی اور اختتامی اجلاس سمیت آٹھ نشستوں میں 48 مقررین اور اہل علم نے اختصار وقت کا خیال رکھتے ہوئے خطابات کیے۔ ان میں تقریباً نصف 23 مدعوین نہ صرف یورپ بلکہ دنیا کے دور دراز علاقوں جیسے امریکہ، کینیڈا، ہندوستان، انڈونیشیا، جاپان اور آسٹریلیا سے بھی تشریف لائے تھے۔ ان تمام شرکاء کا جینیوا کے انٹرکانٹی ہوٹل میں ٹھہرایا جانا، بزنس کلاس میں ان کی آمد ورفت کا انتظام اور پھر اقوام متحدہ کے ہیڈکوارٹر میں کانفرنس کا انعقاد ایک صرفِ کثیر چاہتا ہے جو سوائے سعودی عرب کی فیاضانہ شمولیت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

رابطہ کی اولین کانفرنس جس میں شرکت کا موقع ملا، رابطہ کی اس بلڈنگ میں منعقد ہوئی تھی جو رابطہ کا اولین ہیڈکوارٹر تھا، یہ عمارت عزیزیہ کے راستے میں واقع تھی اور پھر 1976ء کی وہ کانفرنس یاد آتی ہے جو رابطہ کے اس وقت کے ناظم عمومی شیخ محمد علی الحرکان کی قیادت میں نواکشوط (موریتانیا) میں منعقد ہوئی تھی اور پھر وقتاً فوقتاً نہ صرف مکہ مکرمہ میں بلکہ دنیا بھر کے مختلف مقامات پر رابطہ کا مہمان رہا۔ بارہا مقالات پیش کیے، بحث ومباحثہ میں حصہ لیا لیکن ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی (سابق سیکرٹری جنرل) کی رابطہ سے روانگی کے بعد یہ چوتھی کانفرنس ہے جس میں بطور سامع شریک ہو رہا ہوں۔

اب آیئے جینیوا کانفرنس کی طرف کہ جس کا تذکرہ مطلوب ہے۔

یو این او (UNO) کے ہیڈکوارٹر کی عمارت ویسے ہی ایک گرانڈیل عظیم معماری تحفہ ہے، مرکزی عمارت میں داخل ہوں تو ایک اونچا سارا راہداری نما ٹنل اسے ایک دوسری عمارت سے ملاتا ہے، جس کے کمرہ نمبر 17 میں یہ کانفرنس ہو رہی تھی۔ کمرہ (ROOM) کا لفظ ہم نے یو این او کی اپنی اصطلاح کے مطابق استعمال کیا ہے ورنہ ہماری دانست میں اسے ہال کہا جانا چاہیے کہ جس میں قد آور اسٹیج کے سامنے نیم دائرے کی شکل میں نشستیں ترتیب دی گئی تھیں اور ہر نشست کے سامنے ڈیسک پر ایک چھوٹی سی اسکرین پیوستہ تھی کہ جس میں مقرر کو اس کی شبیہ کے ساتھ دیکھا اور سنا جا سکتا تھا اور جہاں ووٹ دینے یا اپنی بات کہنے کے لیے مائیک کا انتظام بھی موجود تھا۔

کانفرنس کا افتتاح ایک نوجوان عرب خاتون کی آواز سے ہوا جس نے افتتاحی اجلاس کے لیے سات معزز مہمانوں کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔

مجھے دوپہر میں وقفہ مأکولات کے درمیان اپنی اہلیہ کے ساتھ اس خاتون کا تعارف حاصل ہوا اور اس

نے بتایا کہ وہ اصلاً لبنان کے ان عرب خاندانوں میں سے ہے جو بہت پہلے برازیل میں آباد ہو چکے تھے اور پھر آہستہ آہستہ وہ وہیں کی تہذیب وثقافت میں گھل مل گئے، اپنی روایات اکثر گنوا دیں۔ اپنی زبان بھی، کلچر بھی، دینی اقدار بھی، اس نے خود اپنی محنت سے عربی زبان کے ساتھ دوبارہ رشتہ استوار کیا ہے اور ہم خود دیکھ رہے تھے کہ وہ گو مغربی ثقافت کی پوری طرح علمبردار تھی لیکن اپنے شاندار ماضی کی روایات سے دوبارہ رشتہ استوار کرنے کی خواہشمند تھی۔

اس اجلاس میں جن معززین نے خطاب کیا ان کے نام نامی درج کیے دیتا ہوں:

a ویٹی کان (پوپ) کے نمائندے خالد بطرس عکاشہ

b آرٹ اکیڈمی جینیوا کی ڈائریکٹر سیبیل روبرخت

c اسلامی مجلس اعلیٰ الجزائر کے صدر ڈاکٹر ابو عبداللہ غلام اللہ

d سوئزر لینڈ کی یہودی کونسل کے سیکرٹری جنرل جان گر فنکیل

e وزارت اوقاف (مصر) اور اسلامی امور کی مجلس اعلیٰ کے صدر ڈاکٹر محمد مختار جمعہ

f مصر کے مفتی اعظم ڈاکٹر شوقی ابراہیم علاّم

g رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل جناب محمد عبدالکریم العیسیٰ

مقررین کے مقالات حاضرین کے لیے دستیاب نہیں تھے، اس لیے میں اپنے نوٹس پر انحصار کرتے ہوئے صرف انہی مقررین کے خیالات کی تلخیص پیش کروں گا جنہیں میں خود سن پایا تھا، بلکہ تلخیص کہنا درست نہ ہو گا، صرف وہ نقاط ہی درج کروں گا جو میرے نزدیک اچھوتے تھے یا کچھ اہمیت کے حامل تھے۔

جان گرفن کیل نے بتایا کہ اس کے آباؤ واجداد نازی دہشت گردی کا شکار رہے تھے، وہ خود دوی آنا (آسٹریا) میں اپنے بچپن کے تلخ ایام کا حوالہ دے رہے تھے جب اسکول کے دوسرے بچوں کی طرف سے انہیں ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جاتی تھی۔

انہوں نے کہا:

Divided we fail, united we prevail

یعنی، ہم منقسم رہیں گے تو ناکام ہوں گے، متحد ہوں تو چھا جائیں گے۔"

وزیر اوقاف محمد مختار جمعہ نے بتایا کہ کسی بھی معاشرے کے پھلنے پھولنے کے لیے امن کا ہونا اور رزق کی فراوانی انتہائی ضروری ہے۔ آج کل کورونا وائرس کا بڑا چرچا ہے لیکن سب سے خطرناک وائرس انتہا پسندی کا وائرس ہے اور ایسے ہی الیکٹرانک دہشت پسندی بھی۔

رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل کا خطاب، کلیدی خطاب تھا، جس میں انہوں نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ اسلامی ممالک میں تعلیمی نصاب کو ان تمام عبارات سے پاک کرنا ہو گا جو نفرت اور عنصریت پیدا کر رہی ہیں اور معاشرے میں علیحدگی کے رجحان کو پروان چڑھا رہی ہیں اور اب وقت آ گیا ہے کہ ہر ملک میں خارجی امداد کے حصول پر پابندی عائد کی جائے اور اس بات کو نوٹ کیا جائے کہ بہت سے مراکز ایسے ہیں جو کوئی مذہبی نام نہیں رکھتے لیکن ان کی ساری کی ساری مصروفیات دین ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔

افتتاحی اجلاس کے بعد ایک ایک گھنٹے کے دورانیے کے تین اجلاس اور ہوئے۔

پہلا اجلاس شیخ عبدالمعتوق کی صدارت میں ہوا جو کہ دیوانِ امیری کے خصوصی مشیر ہیں۔ اجلاس کا مرکزی موضوع تھا:

"افکار، نظریات اور وہ معاشرتی حالات جو انتہا پسندی کو جنم دیتے ہیں۔"

مقررین حضرات جنہیں خطاب کے لیے دس دس منٹ دیے گئے وہ یہ تھے:

a رضوان السیّد، استاد علوم اسلامیہ، امریکن یونیورسٹی، بیروت

b فادر نبیل حداد، اردن کے مرکز تحقیق برائے حوار بین الادیان کے ڈائریکٹر

c ڈاکٹر انائیڈ لینڈ مین، استاد لوازن یونیورسٹی، سوئزر لینڈ

d ڈاکٹر جیکی آرلولے بروڈرڈ، فرائی برگ یونیورسٹی، سوئزر لینڈ

e ڈاکٹر ساسا سیکر لی جا، استاد بانجالوکا، یونیورسٹی ہرسی گووینا

f ڈاکٹر حسان بن علی موسیٰ، نائب صدر فتویٰ کمیٹی، سویڈن

ڈاکٹر رضوان السید نے دہشت پسند جماعتوں کے تین مراحل سے گذرنے کا ذکر کیا:

اپنی شناخت ظاہر کرنے کا مرحلہ
مسلسل آگے بڑھتے رہنے کا مرحلہ
غلبہ حاصل کرنے کا مرحلہ

انہوں نے کہا کہ علامہ شبلی نعمانی پچھلی صدی (انیسویں صدی) کے اواخر میں یہ کہہ چکے تھے کہ ہمیں ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے۔ پھر رضوان السید نے اشعری اور سلفی مخاصمت کا ذکر کیا اور کہا کہ ہماری توجہ دین کے تین اساسی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت پر رہنی چاہیے۔

یہ بھی کہا کہ ہم لوگ ترقی پسند ہیں اور ہم قدامت پسندوں سے خائف رہتے ہیں، ہمیں علم کلام کی تجدید مطلوب ہے۔

فادر نبیل حداد نے کہا کہ انتہا پسندی اب ایک عالمی تحریک کی شکل اختیار کر چکی ہے اور انتہا پسند اپنی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے ٹیکنالوجی کے جدید ترین ذرائع اختیار کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ان کی پہنچ جدید ترین مہلک ہتھیاروں تک بھی ہو چکی ہے جو کہ خطرے کی گھنٹی بجا چکی ہے۔

ڈاکٹر ساسا نے بتایا کہ بوسنیا میں امن کے معاہدے پر اب پچیس سال بیت چکے ہیں اور اب بوسنیا یورپی یونین میں ممبر شپ کا خواہاں ہے۔

ڈاکٹر حسان نے کافی گھن گرج کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کو پیش کیا، کہا کہ نوجوان انتہا پسندی کے

ہتھوڑے اور معاشرے سے دور کیے جانے کے رجحانات کے درمیان پس رہے ہیں۔ سوچنا چاہیے کہ یہ انتہا پسندی کہاں سے آتی ہے، کیا مسئلہ فلسطین کا حل نہ کیا جانا اس کے اسباب میں سے ایک سبب نہیں ہے؟ پھر دوسرے اسباب میں سے غربت، معاشرے سے بغاوت، جمہوریت اور نسل پرستی بمقابلہ سامیت (سامی النسل ہونا) کے نام پر بے انصافی کا طوفان کھڑا کرنا ہے۔

انہوں نے ایک انگریز ضرب المثل کی طرف اشارہ کیا کہ میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے محبت کرو لیکن یہ احساس ضرور دلاؤں گا کہ میں موجود ہوں۔

انہوں نے کہا کہ شدت پسندی کا کوئی باپ نہیں سوائے نفرت اور کراہیت کے، کہا کہ لوگ تعلیمی نصابوں میں اصلاح کی بات کرتے ہیں لیکن صرف مسلمانوں کی حد تک کیوں؟ کیا عیسائی نصاب تعلیم میں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے؟

دوسرے اجلاس کا عنوان تھا: اسلاموفوبیا اور مخالفت سامیت، جو ہمارے دیرینہ دوست اور مسلم ایڈ کے رفیق جناب اقبال عبد الکریم سکرانی (لندن) کی صدارت میں ہوا۔

مقررین تھے:

a ڈاکٹر چارلس آشر سمال، ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ برائے دراسات اور پالیسی بابت عالمی مخالفت سامیت، امریکہ

b ڈاکٹر الفریڈو مایوسیی، صدر یورپین مسلم لیگ، اٹلی

c ڈاکٹر جان گرفن کیل ۔ سیکرٹری جنرل C/CD سوئزرلینڈ

d ڈاکٹر محمد مشاری۔ سیکرٹری جنرل کونسل برائے عالمی مسلم تنظیمات، فرانس

میں بوجوہ اس اجلاس میں شرکت نہ کر سکا لیکن آخر میں صدر مجلس کے چند کلمات سن پایا، انہوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے صاف صاف کہا ہے کہ اسلاموفوبیا کا پایا جانا ایک مشکل امر ہے اور یہ کہ یورپ میں اور خاص طور پر برطانیہ میں دائیں بازو کا اسلاموفوبیا کو بھڑکانے میں ایک نمایاں کردار ہے اور یہ کوئی خوش آئند بات نہیں کہ بورس جانسن (وزیر اعظم برطانیہ) اس سلسلہ میں آئے دن کچھ نہ کچھ ہانکتے رہتے ہیں۔

تیسرا اجلاس ناروے کے چیف ربائی جیڑ مَیل کوئر کی صدارت میں ہوا۔

موضوع تھا: **قومی تشخص اور ذہنی تحفظ کی تعمیر میں قومی تشخص کا حصہ**، اور مقررین تھے:

a سفیر مقتدر مشیل واتھیث، انسانی ٹریفکنگ کی روک تھام کے لیے مالٹا کے ساوَرن آرڈر کے سفیر، سوئزرلینڈ

b مہاجری زین، صدر اسلامی مراکز کی یورپین تنظیم، سوئزرلینڈ

c پروفیسر بشیر جیووی۔ صدر اور بانی اموشنل ویل بینگ انسٹی ٹیوٹ، سوئزرلینڈ

d ڈاکٹر حمادی نائط شریف، استاد بورنمتھ یونیورسٹی، برطانیہ

e ڈاکٹر ابراہیم نجم، مفتی جمہوریہ مصر کے خصوصی مشیر

پہلے مقرر نے موجودہ دور کی انسانی سمگلنگ کو ماڈرن غلامی سے تعبیر کیا اور اس ضمن میں اعضاء جسم انسانی کی ٹریفکنگ کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ ویٹیکان (کیتھولک مذہب کی مرکزی عبادت گاہ) میں پوپ کی نگرانی میں ان دونوں موضوعات پر کام ہو رہا ہے۔

دوسرے مقرر بشیر جیووی تھے جو اصلاً مورشیس سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اب آسٹریلیا میں قیام پذیر ہیں اور دماغی صحت کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کے حامل ہیں۔

ان کی تقریر کے مرکزی نکات یہ تھے:

a انسانی خواہشات کا غلط استعمال جیسے ونڈو شاپنگ کرتے کرتے آپ دکان میں داخل ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

b تبدیلی لانے کے لیے انسان کے دماغی سانچے کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

c Push & Pull یعنی دھکیلنے اور کھینچنے، دونوں عوامل کی ضرورت ہے۔

d تعلیم ہو تو بہترین سطح کی ہونی چاہیے۔

e وہ ڈاکٹر جو مریض کا معاینہ کرتا ہے اور پھر غلط تشخیص کرتا ہے تو پھر وہ غلط علاج بھی تجویز کرے گا اور پھر اس کے جزوی اثرات تو ہوں گے۔

f کیکڑے والا مزاج یعنی ہر شخص دوسرے کی ٹانگ گھسیٹنے میں لگا ہوا ہے۔

g اعلیٰ اقدار کے حصول کے لیے چیمپیئن کی پوسٹ ہدف ہونی چاہیے۔

h 'اُحد' اتحاد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صدر مجلس نے ان کی تائید میں کہا کہ یہ لفظ عبرانی میں اَخد اور عربی میں اَحد وارد ہوا ہے۔ استاد حماد نائط شریف نے یورپ میں آباد مسلمانوں کی اصناف کو گنواتے ہوئے کہا:

1۔ یورپی مسلمان جن میں بوسنیا اور کسووا کے مسلمان شامل ہیں لیکن انہیں بھی کسی گنتی میں شمار نہیں کیا جاتا۔

2۔ نَو مسلم جو کہ تقریباً بیس فیصد ہیں۔

3۔ دوسرے ممالک سے ہجرت کر کے یورپ میں آباد ہونے والے مسلمان جن میں اب ان کی اولادیں بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں کو ملازمت کے حصول میں دقت پیش آتی ہے، حقارت انگیز کلمات سے خطاب کیا جاتا ہے۔ بورس جانسن (موجودہ وزیر اعظم برطانیہ) نے نقاب پہننے والی مسلم خواتین کے بارے میں کہا تھا کہ وہ لیٹر باکس کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے ساتھ برابری کا سلوک ہونا چاہیے۔

4۔ وہ لوگ جو اپنے ممالک میں ظلم و بربریت کی بنا پر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ جیسے فلسطینی یا شامی، یہ لوگ مختصر مدت کے قیام کی نیت سے

آئے ہیں اور اپنے ملک کی شہریت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔
انہوں نے یہ بھی کہا کہ یورپ کے اسلامی مراکز کو ثقافتی مراکز کا کردار ادا کرنا چاہیے اور ہمیں باہر سے فتویٰ کے حصول کے رجحان کو ترک کرنا چاہیے۔
ڈاکٹر ابراہیم نجم مفتی جمہوریہ کے خصوصی مشیر ہیں اور عالمی طور پر فتویٰ جات کا تقابل کرتے ہیں، امریکہ میں تعلیم اور کام کے سلسلے میں بارہ سال مقیم رہے۔ 'لانگ آئی لینڈ کے اسلامی مرکز کے ڈائریکٹر بھی رہے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:
"انتہاء پسند اپنے ملک کے قومی ترانہ کا احترام نہیں کرتے اور ان کے ہاں قومی تشخص ہمیشہ دینی تشخص سے میل کھاتا نظر نہیں آتا۔ وہ ابھی تک دار الاسلام اور دار الحرب کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ سیرت اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ میں غلطی کا شکار ہیں۔
ہمیں چاہیے کہ ہم قرآنی آیات کا از سرِ نو مطالعہ کریں۔
دیکھیے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام مصر جا کر کیسے اہل مصر کی طرح ہو گئے، گو وہ اپنے دین پر عامل رہے لیکن وہ ابنائے وطن کی خدمت میں لگے رہے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو عہد مکی میں حبشہ ہجرت کر گئے تھے، ان میں وہ لوگ جو زیادہ دیر وہاں رہے، انہوں نے ایک جنگ میں اہل حبشہ کی مدد بھی کی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ (اپنے وطن) کی مدح کرتے نظر آتے ہیں اور پھر مدینہ منورہ کی۔ ایسے ہی انہوں نے یمن، عراق اور دوسرے ممالک کی مدح بھی کی۔ انہوں نے فتویٰ نویسی کے ضمن میں کہا کہ ہم عربی میں صادر فتاویٰ کا دوسری زبانوں میں ترجمہ نہیں کرتے بلکہ دوسرے ممالک سے ایسے علماء کو مدعو کرتے ہیں جو اپنی زبان میں خود فتویٰ صادر کرتے ہیں۔
پہلے دن کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔

بدھ (19 فروری 2020ء) کی صبح دس بجے آج کے پہلے اجلاس کا آغاز ہوا، جس کی صدارت ہمارے ایک دیرینہ رفیق مصطفیٰ سیرچ سابق مفتی اعظم بوسنیہ کر رہے تھے۔ مرکزی موضوع تھا:
"یورپ کے نوجوان اور انتہا پسندی کا خطرہ"
ذیلی عنوان تھے: خاندان کا کردار، تعلیم، مذہبی اور اجتماعی امور کا نوجوان کے ذہن و دماغ پر اثر انداز ہونا۔
اجلاس کے شرکاء یہ تھے:

a. کجل میگنے بونڈون، ناروے کے سابق وزیر اعظم
b. ڈاکٹر حسنی عبدی، مرکز تحقیق و دراسات برائے عرب اور مشرق اوسط، سوئزرلینڈ
c. سیدہ شیارہ سلیمانی، صدر سٹارٹ ان سائٹ، سوئزرلینڈ
d. ڈاکٹر اسامہ محمد العباد، اسلامی جامعات کی تنظیم کے صدر، مصر
e. ڈاکٹر سامی فزیدی، معہد عالی برائے ثقافت اسلامیہ، جامعۃ الزیتونہ، تونس

مصطفیٰ سیرچ نے ان کلمات کے ساتھ اجلاس کا آغاز کیا کہ ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک بچہ پہلے سات سال شاہانہ زندگی گزارتا ہے، اگلے سات سال نوکر ہو جاتا ہے اور اگلے سات سال مشقت کی زندگی بسر کرتا ہے اور آج کا اجلاس اسی نوجوان کی زندگی کے ان تینوں مراحل سے متعلق ہے۔
ناروے کے سابق وزیر اعظم نے یورپ میں اسلام فوبیا پر تبصرہ کرتے ہوئے ناروے کے اس قاتل نوجوان کا تذکرہ کیا، جس نے ایک جزیرہ پر سیر و تفریح کے لیے آنے والے طلبہ وطالبات پر اندھا دھند گولی چلائی تھی، گویا اب اسلاموفوبیا، سائنوفوبیا (Cynophobia) یعنی کتے کے خوف کی مانند ہو گیا ہے۔
انہوں نے کہا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس قسم کے سنگین واقعات کے زیادہ تر مرتکب لوگ

دائیں بازو یا بائیں بازو کے انتہا پسند ہیں جو اس بات کا اظہار کرنا چاہ رہے ہیں کہ وہ اس معاشرے سے تعلق نہیں رکھتے۔
ڈاکٹر سامی فریدی نے انتہا پسندی کے ضمن میں خوارج اور قرامطہ کا ذکر کیا اور پھر امت مسلمہ کے امہ وسط ہونے کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق وسط سے مراد عدل ہے۔
اس اجلاس سے ایک اور عرب استاد نے بھی خطاب کیا جس میں انہوں نے کہا کہ شدت پسندی کی سو سے زیادہ تعریفات بیان کی گئی ہیں اور اس کا آغاز اب سے نہیں بلکہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اس کا علاج تو یہ ہے کہ نوجوانوں کی تہذیب و ثقافت کا خیال رکھا جائے اور اسلام کی معتدل تعلیمات کو عام کیا جائے۔
آخر میں ڈاکٹر مصطفیٰ سیرچ نے اپنے صدارتی کلمات میں یہ چند نکات پیش کیے:
1۔ یورپ کو دار العقد المدنی (House of Civil Contract) کہا جائے گا۔
2۔ دہشت پسندی کا ذکر کرتے وقت یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہم لوگ بوسنیا میں امن و سلامتی کے پیغامبر تھے، پھر بھی ہماری اجتماعی نسل کشی کی گئی۔ برلین کی دیوار تو گرا دی گئی لیکن نسل پرستی اور عنصریت کی بے شمار دوسری دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ اب خود ہمارے ہاں بے شمار پناہ گزیں پہنچ گئے ہیں جو کہ یورپ کی محبت میں یہاں نہیں پہنچے ہیں بلکہ اپنے گھروں سے بے گھر کر دیے گئے ہیں، اس لیے یورپ کو ان کے لیے اپنے دروازے کھول دینے چاہئیں۔ (جاری ہے)

سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر نبی کریم ﷺ ہنسنے لگے اور فرمایا کہ تم کامیاب ہو گئے!

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر نبوی پر ایک مرتبہ خطبہ سنا رہے تھے، اسی میں پوچھا، کیا سواد بن قارب رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کہی، اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کہا، سواد بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب وغریب ہے، ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں تو حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ آ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ سناؤ۔ آپ نے فرمایا: ہاں سنیے، میں ہند گیا ہوا تھا، میرا ساتھی جو ایک رات میرے پاس آیا، میں اس وقت سویا ہوا تھا، مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا، اٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہے تو سن لے اور سمجھ لے اور سوچ لے، قبیلہ لوئی بن غالب میں سے خدا کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں، میں جنات کے جن اور ان کے بوریہ بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں، اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً مکے کی طرف کوچ کر، سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں، جا جلدی جا اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منور مکھڑے پر نظریں تو ڈال لے، مجھے پھر غنودگی سی آ گئی تو اس نے دوبارہ جگایا اور کہنے لگا: اے سواد بن قارب! اللہ عزوجل نے اپنا رسول بھیج دیا ہے، تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو، دوسری رات پھر آیا اور مجھے جگا کر کہنے لگا، مجھے جنات کی جستجو کرنے اور جلد جلد پالان اور جھولیں کسنے پر تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو مکے کا قصد کر، تو اٹھ اور جلدی جلدی بنو ہاشم کے اسی پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر، تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا، مجھے جنات کے باخبر ہو جانے اور رات کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب ہو رہا ہے، وہ سب طلب ہدایت کے لیے مکہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں، ان کے برے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے، تو بھی اٹھ اور اس بنو ہاشم کے چنیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو، مؤمن جنات کافروں کی طرح انہیں تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی دفعتاً اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضور ﷺ کی وقعت اور محبت سے دل پُر ہو گیا، میں نے اپنی اونٹنی پر کجاوہ کسا اور بغیر کسی اور جگہ قیام کیے سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر بال، مجھے دیکھتے ہی یکبارگی اللہ کے پیغمبر نے فرمایا: سواد بن قارب کو مرحبا ہو، آؤ، ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لیے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا، حضور! میں نے کچھ اشعار کہے ہیں، اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سواد شوق سے کہو تو سیدنا سواد رضی اللہ عنہ نے وہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے: میرے پاس میرا جن میرے سونے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک سچی خبر پہنچائی، تین راتیں برابر وہ میرے پاس آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوئی بن غالب میں اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں، میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلد جلد راہ طے کرتا یہاں پہنچ ہی گیا، اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کوئی الٰہ نہیں اور آپ خدا کے امانت دار رسول ہیں۔ آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے، اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد، اے تمام رسولوں سے بہترین رسول جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے، وہ کتنا ہی مشکل اور طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہو، ناممکن ہے کہ ہم اسے ٹال دیں، آپ قیامت کے دن میرے سفارشی بننا، کیوں کہ وہاں بجز آپ کے سواد بن قارب کا سفارشی کون ہو گا؟ اس پر حضور ﷺ بہت ہنسے اور فرمانے لگے، سواد تم نے فلاح پالی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا کیا وہ جن اب بھی تمہارے پاس آتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب سے میں نے قرآن پڑھا وہ نہیں آتا ہے اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اس کے عوض میں نے رب کی پاک کتاب پائی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الاحقاف:29)

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی جرأت وصداقت پر نبی کریم ﷺ مسکرا دیے

جلاس بن سوید کا شمار مدینہ کے شرفا میں ہوتا تھا۔ انہوں نے جب سعد بن عبید اوسی کی بیوہ سے نکاح کیا تو وہ مرحوم شوہر سے ایک کمسن بچہ بھی اپنے ہمراہ لائیں۔ یہ بچہ، جس کا نام عمیر تھا، کہنے کو تو جلاس کا ربیب تھا لیکن انہوں نے ایسی محبت اور شفقت کے ساتھ اس کی پرورش کی کہ شاید حقیقی باپ بھی اس طرح نہ کر سکتا۔ اس معصوم کو بھی جلاس سے کچھ ایسا انس اور پیار ہو گیا تھا کہ ہر وقت انگلی پکڑے ان کے ساتھ رہتا تھا۔ لوگ بھول گئے تھے کہ عمیر، جلاس کا ربیب ہے۔ وہ اس کو ان کا حقیقی بیٹا ہی تصور کرتے تھے۔ عمیر کا عہد طفلی تھا کہ سرورِ عالم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا۔ اہل مدینہ کی ایک بڑی تعداد ہجرت نبوی سے قبل ہی نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہو چکی تھی، اب باقی لوگ بھی آہستہ آہستہ اسلام قبول کرنے لگے۔ جلاس بھی ایک دن کمسن عمیر کے ہمراہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔ اربابِ سیر نے جلاس اور عمیر کے قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا لیکن اس بات پر

سب کا اتفاق ہے کہ اس وقت عمیر کا لڑکپن تھا۔ وہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھے اور ان کے والد سعد بن عبید (بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف) ان کی صغر سنی میں وفات پا گئے تھے۔ گو قبول اسلام کے وقت عمیر بدوِ شعور کو نہ پہنچے تھے لیکن مبداء فیض نے انہیں نہایت صالح اور سعید فطرت سے نوازا تھا۔ رحمت عالم ﷺ کی زیارت کے بعد ان کے دل میں حضور ﷺ کے لیے ایسی محبت اور کشش پیدا ہو گئی کہ جب تک روزانہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں لیتے تھے، کل نہیں پڑتی تھی۔ حضور بھی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ دن گزرتے گئے اور رسالت مآب ﷺ سے سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ کی عقیدت، محبت اور نیاز مندی میں اضافہ ہوتا رہا۔

یوں تو عرب میں بارش ویسے ہی کم ہوتی ہے لیکن 9ھ میں تو خشک سالی نے قیامت ڈھا دی اور سارے ملک میں قحط کا سماں پیدا ہو گیا۔ مدینہ باغوں کا شہر تھا لیکن قحط اور گرمی کی شدت سے اہل مدینہ بھی پناہ مانگ رہے تھے۔ لے دے کے ان کی امیدیں اپنے نخلستانوں سے وابستہ تھیں جن میں کھجور کے درختوں پر پھل گدرا چکے تھے اور ان کے اتارنے کا وقت قریب آ پہنچا تھا۔ یہی دن تھے کہ ایک دن اہل مدینہ یہ خبر سن کر چونک اٹھے کہ رومیوں کا ایک زبردست لشکر عرب پر دھاوا بولنے کے لیے پَرتول رہا ہے۔ سرور عالم ﷺ صورتحال سے پوری طرح باخبر تھے۔ آپ ﷺ نے اہل ایمان کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہم دشمن کا مقابلہ آگے بڑھ کر سرحد پر کریں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا۔ کھجور کی تیار فصل، ہولناک گرمی، تپتے ہوئے صحراؤں میں طویل سفر کی صعوبتیں، خوراک پانی اور سواریوں کی قلت ہر چیز ان کی نظر کے سامنے تھی لیکن وہ تو اپنی جانیں مال اور اولاد سب کچھ خدا کی راہ میں بیچ چکے تھے، انہوں نے سرور عالم ﷺ کے ارشاد پر کسی حیل وحجت کے بغیر لبیک کہا اور ہمہ تن جہاد کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ یہ غزوہ تبوک یا جیش العسرۃ کی تمہید تھی۔ اس موقع پر ایثار واخلاص کے حیرت انگیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال واسباب حضور ﷺ کے قدموں پر لا کر ڈال دیا اور جب حضور ﷺ نے پوچھا۔ "ابو بکر رضی اللہ عنہ تم نے اپنے اہل عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے۔" تو عرض کیا: "یارسول اللہ! اللہ اور اللہ کا رسول۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ کجاوہ سمیت، سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار راہِ حق میں پیش کیے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دو سو اوقیہ چاندی لے کر آئے۔ حضرت طلحہ بن عبید رضی اللہ عنہ مال و دولت کا ایک انبار لے کر حاضر ہوئے۔ عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ خواتین نے اپنے زیور اتار کر اللہ کی راہ میں دے دیے۔ غرض ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق بلکہ استطاعت سے بڑھ کر قربانی کا مظاہرہ کیا۔ ایک طرف تو اہل ایمان اس طرح صفحۂ تاریخ پر اپنے اخلاص اور ایثار کے عدیم النظر نقوش ثبت کر رہے تھے اور دوسری طرف منافقین اپنی روسیاہی کا سامان فراہم کر رہے تھے۔ انہوں نے اہل ایمان کو بددل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، کبھی ان سے کہتے کہ "کھجور کی فصل بالکل تیار ہے، تمہاری غیر حاضری میں یہ برباد ہو جائے گی اور تم کہیں کے نہ رہو گے۔" کبھی کہتے: "اس ہولناک گرمی میں تم جھلس کر رہ جاؤ گے اور زندہ واپس نہ آؤ گے۔" کبھی رومیوں کی زبردست جنگی قوت کا حال بتا کر انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کرتے۔ یہ لوگ اکثر سویلم نام ایک یہودی کے مکان پر جمع ہوتے اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بناتے۔ انہی ایام میں ایک دن خدا جانے جلاس بن سوید کو کیا ہو گیا۔ منافقین کے بہکاوے میں آ گئے یا کھجور کی نہایت عمدہ تیار فصل نے ان کی مَت مار دی۔ اچھے بھلے مسلمان۔ کئی غزوات میں بھی شرکت کا شرف انہیں حاصل تھا۔ لیکن وائے بدبختی کہ ایک مجلس میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے: "اگر محمد ﷺ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔"

اس موقع پر عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ اگرچہ نوعمر تھے لیکن ان کی پیشانی پر صبح سعادت کا نور چمک رہا تھا اور دل میں رحمتِ عالم کی محبت کا سمندر موجزن تھا۔ اپنے آقا و مولا کے بارے میں جلاس کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو ان کا خون کھول اٹھا۔ کڑک کر بولے: "محمد ﷺ ضرور سچے ہیں اور تم یقیناً گدھوں سے بدتر ہو۔"

جلاس نے عمیر رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو سناٹے میں آ گئے۔ یہ لڑکا جس نے کبھی آپ کے سامنے آنکھ تک نہ اٹھائی تھی، آج ان کے منہ آ رہا تھا۔ بڑے جزبز ہوئے اور بولے: "کیا اسی دن کے لیے میں نے تجھے پال پوس کر بڑا کیا تھا۔ اب میں تیری کفالت سے باز آیا، کوئی اور جگہ ڈھونڈو۔"

سوتیلے باپ سے جلی کٹی سننے کے بعد عمیر رضی اللہ عنہ سیدھے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور سارا واقعہ بلا کم وکاست عرض کر دیا۔ حضور ﷺ نے جلاس کی جسارت پر تعجب کا اظہار فرمایا اور فوراً ان کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے پوچھا: "جلاس، کیا تم نے آج فلاں مجلس میں یہ الفاظ کہے تھے۔"

جلاس کو اقرار کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ صاف انکار کر گئے۔ اس وقت لسان رسالت پر یہ آیت جاری ہو گئی:﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِن فَضْلِهِ ۚ فَإِن يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾(سورۃالتوبہ:74)

"(وہ) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے تو نہیں کہا، حالانکہ بے شک انہوں نے کفر کا کلمہ کہا اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوئے اور ایسی چیز کا قصد کیا جس کو نہ پایا اور یہ سب اس کا بدلا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو

دولت مند کر دیا۔ سو وہ اگر توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔"

حضور ﷺ وحی الٰہی کے الفاظ پڑھتے جاتے تھے اور جلاس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ جب آپ ﷺ (خَيْرًا لَّهُمْ) پر پہنچے تو جلاس کی چیخ نکل گئی، بے اختیار رحمتِ عالم ﷺ کے قدموں پر گر پڑے اور عرض کی: "یارسول اللہ! خطاکار ہوں، درگزر چاہتا ہوں۔ مجھ سے بھول ہوئی، اب توبہ کرتا ہوں۔ للہ بخش دیجیے۔" آپ ﷺ نے معاف فرما دیا۔ اس کے بعد وہ حقیقی معنوں میں مسلمان ہو گئے اور پھر اپنے کسی قول یا فعل سے کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ توبہ قبول ہونے کی خوشی میں انہوں نے عمیر رضی اللہ عنہ کو پھر اپنی کفالت میں لے لیا اور جب تک زندہ رہے ان کو اپنے سے جدا نہ کیا۔

جلاس رضی اللہ عنہ کے اعترافِ گناہ اور قبول توبہ کے موقع پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور ﷺ نے شفقت آمیز انداز میں ان کا کان پکڑ کر مسکراتے ہوئے فرمایا: "لڑکے تیرے کانوں نے ٹھیک سنا تھا۔" (تیس پروانے شمع رسالت کے از طالب ہاشمی)

رحمت عالم ﷺ نے متبسم ہو کر فرمایا، اس نے سچ بولا میں اس کا قصور معاف کرتا ہوں

اصحاب رسول رضی اللہ عنہم سیرت و کردار کے اعتبار سے اتنے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ انکے صدق واخلاص، دیانت و امانت اور زہد و اتقا کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ اللہ نے اپنے ان مقدس اور پاکباز ترین بندوں کو کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے اور انکے دشمنوں کو اپنا دشمن کہا ہے۔

سیدنا حضرت ابو امیہ عمرو بن امیہ الضمری اسی جماعت صحابہ کے ایک معزز رکن تھے۔ مبداء فیض نے انہیں بے شمار اوصاف و محاسن سے نوازا تھا۔ جن میں شجاعت، پامردی، سب تیز رفتاری، ذہانت اور فراست جیسے اوصاف بہت نمایاں تھے۔ داستان گوئی اور جہالت کا برا ہو کہ بعض لوگوں نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے انہی غیر معمولی اوصاف کو سامنے رکھ کر 'عمر عیار' نام کی ایک فرضی شخصیت تراش لی اور لاتعداد من گھڑت قصے اس سے منسوب کر دیے، یہاں تک کہ حضرت عمرو بن امیہ کی اصلی شخصیت نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ مشاہیر ارباب سیر نے اگرچہ حضرت عمرو بن امیہ کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھا تاہم مستند روایات سے جو کچھ سامنے آتا ہے، وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ رحمت عالم ﷺ کے ایک مخلص جاں نثار اور راہ حق کے ایک سرفروش مجاہد تھے۔ سرور کونین کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ کئی اہم امور کی تکمیل ان کے سپرد فرمائی۔ یہاں تک کہ انہیں ایک غیر ملکی فرمانروا (نجاشی شاہ حبشہ) کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ایسے جلیل القدر صحابی کی زندگی کے حالات کو بگاڑ کر پیش کرنا سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ آیئے سیرت اور تاریخ کی مستند کتابوں کی روشنی میں اسلام کے اس بطل جلیل کی سیرت کے اصل خدوخال کا جائزہ لیں۔

سیدنا ابو امیہ عمرو بن امیہ بنو ضمرہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ شجرہ نسب یہ ہے:

عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبد اللہ بن ایاس بن عبد (یاعبید) بن فاشرہ بن کعب بن عدی بن ضمرہ۔

بنو ضمرہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور بدر کے نواحِ شمال میں آباد تھا۔ البتہ اس کی ایک شاخ بنی عبد بن عدی مکے کے حدودِ حرم میں جا بسی تھی۔ مشہور قبیلہ بنو غفار بھی بنو ضمرہ ہی کی ایک شاخ تھا۔ ابن سعد اور سہیلی کا بیان ہے کہ صفر 6ھ میں رسول اکرم ﷺ نے بنو ضمرہ سے ایک تحریری معاہدہ کیا تھا جس میں بوقت ضرورت ایک دوسرے کو مدد دینے کا عہد کیا گیا تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق سرورِ عالم ﷺ نے ایک موقع پر بنو ضمرہ کی تعریف و تحسین فرمائی تھی۔ اسی لیے اہل سیر نے اس قبیلہ کو معزز اور محترم گردانا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اوائل عمر ہی سے اپنی تیز رفتاری، ذہانت، جرأت اور دلیری کی وجہ سے مشہور ہو گئے تھے۔ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ وہ عرصہ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے اور بدر و اُحد کے معرکوں میں مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ ان کے صاحبزادوں جعفر، فضل اور عبد اللہ سے منقول ہے کہ قریش جب احد سے واپس گئے تو ہمارے والد نے اسلام قبول کر لیا۔

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات کبیر میں حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے متعلق ایک دلچسپ قصہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ غزوۂ احد کے بعد ایک دفعہ ابوسفیان نے سرورِ عالم ﷺ کو مدینہ منورہ میں شہید کرانے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لیے عمرو بن امیہ کو منتخب کیا۔ عمرو ایک خنجر کپڑوں کے نیچے چھپا کر ایک تیز رفتار اونٹ پر عازم مدینہ ہو گئے۔ چھٹے دن مدینہ کے قریب ظہر الحرہ کے مقام پر پہنچے۔ وہاں سے پوچھتے پوچھتے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کہاں ہوں گے، مسجد بنو عبد الاشہل میں پہنچے جہاں حضور ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی نظر عمرو پر پڑی تو وہاں پر موجود صحابہ سے فرمایا: "دیکھو وہ شخص جو آرہا ہے اس کا ارادہ نیک نہیں معلوم ہوتا۔" یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ عنہ اٹھے اور لپک کر عمرو کو قابو کر لیا۔ ان کے کپڑوں سے خنجر برآمد ہوا تو بہت سٹپٹائے اور چلانے لگے: میرا خون، میرا خون۔" حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "سچ بتا تو کون ہے اور کس نیت سے یہاں آیا ہے۔" بولے: "اگر آپ مجھے قتل نہ کریں تو سب کچھ بتا دوں گا۔"

عمرو رضی اللہ عنہ نے تمام واقعہ بلا کم و کاست بیان کر دیا۔ یہ سن کر رحمت عالم ﷺ نے متبسم ہو کر فرمایا: "اس نے سچ بولا میں اس کا قصور معاف کرتا ہوں۔"

عمرو جلال نبوت سے پہلے ہی متاثر ہو چکے تھے، اب حضور ﷺ کی شان کریمی دیکھ کر بے اختیار آپ ﷺ کے قدموں پر گر پڑے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (تیس پروانے شمع رسالت از طالب ہاشمی)

جبل زیتون کاوزٹ

اگلی صبح ہمارا مقام وزٹ جبل زیتون (Mount of Olives) تھا جو بالکل بیت المقدس کے بازو میں اور قدیم یروشلم سے ملحق ہے۔ یروشلم اور مغربی کنارے ایک پہاڑی سلسلہ کوہ الخلیل کے نام سے مشہور ہے۔ جبل زیتون اسی سلسلہ کا ایک اہم پہاڑ ہے جس کی اونچائی 828 میٹر یا (2710) فٹ ہے۔ اور اس پہاڑ کی لمبائی ایک میل سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن تاریخ میں اس پہاڑ کی بڑی حیثیت ہے۔ دنیا کے تینوں بڑے مذاہب کی یادگاریں یہاں موجود ہیں۔ انجیل و تورات میں کئی مقام پر اس پہاڑ کا ذکر ہوا ہے۔ قرآن کریم میں ایک سورہ التین ہے جس میں بعض مفسرین کے مطابق اس پہاڑ کا تذکرہ کیا گیا۔ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۙ وَطُورِ سِينِينَ﴾ مفسرین کے نزدیک زیتون کے اس پھل سے مراد زیتون کے پھل کی جائے پیدائش ہے اور یہ فلسطین کا پہاڑ جبل زیتون ہے۔ چونکہ یہاں سب سے زیادہ زیتون کا پھل پیدا ہوتا ہے اس لیے زیتون کا استعمال یہاں بہت عام ہے۔ اہل فلسطین اس کا استعمال بہت کثرت سے کرتے ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے، مدینہ یونیورسٹی میں ہمارے کئی فلسطینی دوست زیر تعلیم تھے اور ہماری رہائش شارع سلطانہ والی بلڈنگ میں تھی۔ نمازوں کے علاوہ بعض دفعہ شام کے کھانے میں اکٹھے ہو جایا کرتے تھے تو ان کا زیتون آئل کا ابلے آلوؤں پر بے تحاشا چھڑکاؤ بڑا عجیب لگتا تھا۔ ظاہر ہے جس علاقے میں کوئی چیز زیادہ پیدا ہوتی ہے، وہاں اس کا ستعمال بھی عام ہوتا ہے جیسے بنگالی بھائیوں کا مچھلی اور پاکستانی شیخوپوریوں کا کثرت سے باسمتی چاول کا استعمال ۔ زیتون کی وسیع پیمانے پر پیدائش کی اس مناسبت سے اسے جبل زیتون کہا گیا ہے۔ یہاں زیتون کے کئی درخت ہیں جن کی قدامت ہزاروں سال بتائی جاتی ہے۔ مسجد اقصیٰ اور اس کے ارد گرد میں تاریخی تقدس کی خوشبو تو ہے ہی لیکن یہاں کی فضا میں عجیب دلربا سی مہک اور رونق محسوس کی جاسکتی ہے۔

جبل زیتون اور مسجد اقصی کے ارد گرد میں بے شمار انبیاء کرام کی قبور شریفہ موجود ہیں۔ مقبرہ زکریا کی تصویر تو موجود ہے۔ باقی بھی انبیائے کرام یہیں کہیں دفن ہوئے ہیں، لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ کوئی قبر حتمی طور پر ثابت نہیں ہے۔ روئے زمین پر سوائے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے کسی نبی کی قبر حتمی طور پر ثابت نہیں ہے۔ روایت کے مطابق سیدنا عیسی علیہ السلام کو جہاں سے آسمانوں پر اٹھایا گیا، وہ پتھر بھی اسی پہاڑ پر موجود ہے (کوئی ایک میٹر کے قریب اس کی لمبائی ہے) اس پہاڑ یا علاقے کی یہ خاصیت ہے کہ پوری دنیا میں یہی ایک خطہ ہے جہاں سے دو انبیاء کو آسمانوں پر اٹھایا گیا۔ ایک محمد ﷺ اور دوسرے سیدنا عیسی علیہ السلام۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جبل زیتون پر سیدنا داؤد علیہ السلام ننگے پاؤں بھاگے تھے۔ جبل زیتون کے سامنے والی دیوار کو عثمانی خلافت کے آٹھویں خلیفہ سلمان القانونی نے تعمیر کرایا تھا۔ اگرچہ اس سے پانچ سو سال پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کر لیا تھا لیکن سترہویں صدی تک برطانیہ، روس، اٹلی، فرانس اور سپین حملہ کرنے کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔ اس لیے اپنے دفاع کیلئے سلطان سلیمان القانونی نے یہ دیوار بنائی تھی۔ باب اسباط سے نیچے ڈھلوان میں اتریں تو بستان جشیمانی اور وادی قدرون کی مغربی جانب جبل زیتون ہے۔ جبکہ اس کی جڑ میں سے پانچ راستے نکلتے ہیں۔ ایک شاخ اردن کی طرف اور دوسری جافا اور تل ابیب کی جانب چلی جاتی ہے۔

جبل زیتون کے علاقے میں کئی چرچ ہیں۔ ان میں مشہور چرچ حضرت مریم کے نام سے منسوب ہے۔ جس کا تذکرہ اوپر ہم نے کیا ہے۔ اس پہاڑ پر تینوں مذاہب کے قبرستان بھی ہیں اور کئی مشہور قبور ہیں۔ حضرت مریم کی قبر کنیسہ مریم عذراء میں، داؤد محل میں حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر، ایک جگہ حضرت زکریا علیہ السلام کا مقبرہ بھی بتایا جاتا ہے، افشالوم کی یادگار بھی ہے۔ کنیسۃ الصعود جہاں سے بقول عیسائیوں کے حضرت عیسی علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھے تھے۔ اسی علاقے میں ایک لاکھ چوالیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام (مسند احمد اور ابن حبان کی روایت عن ابی ذر رضی اللہ عنہ کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، یا پیدا ہوئے۔ اس روایت کو مشکوۃ المصابیح (3/1589) میں امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے) جبکہ بعض اکابر علماء اس ضمن میں مروی تمام احادیث کو ضعیف بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم) ان سب کی قبور مبارکہ اسی فلسطین و شام کے علاقہ میں ہیں۔ اگرچہ نشاندھی صرف چند ایک کی ہی ہوسکی ہے لیکن وہ بھی سو فیصد یقینی نہیں ہے بس روایات ہی ہیں جو نسل در نسل مشہور ہوتی چلی آرہی ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک کے سوا صفحہ ہستی پر کسی نبی کی قبر کا مقام یقینی نہیں ہے اور نہ ہی کسی نبی بشمول نبی آخر الزمان کی تاریخ پیدائش یقینی طور پر ثابت ہے۔ جو کچھ بھی ہے، آثار و روایات ہیں، جو نسل در نسل سے مشہور چلی آرہی ہیں۔

یہود کے قبرستان میں عام یہودی دفن نہیں کیے جاتے بلکہ یہاں مشہور اور مالدار یہودیوں کو دفن کیا جاسکتا ہے۔ دنیا کی مہنگی ترین قبر کی جگہ غالباً یہاں فروخت ہوتی ہے۔ ایک قبر کم از کم پانچ ملین ڈالر کی۔ اور ان قبروں کو پختہ مگر سوراخوں والی سلیبوں سے ڈھانپا گیا ہے کہ یہودیوں کی روحوں کو پختہ قبروں سے نکلنے میں دیر نہ لگے اور وہ فوراً پرواز کر جائیں۔۔۔ مگر کس جانب۔۔۔؟ ہم نے انہیں تبشیر بالنار کی دعائے مسنون دی۔ پہاڑ کی ڈھلان پر قبریں ہی قبریں نظر آئیں پتھر یا سیمنٹ کی سلیب سے ڈھکی ہوئی ہر قبر کے ایک طرف سوراخ رکھا گیا۔ یوں کئی اعتبار سے اس جبل زیتون کی تینوں مذاہب (مسلمان، عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور رابعہ بصری کے مقامات

جبل زیتون پر ایک احاطے میں دو مشاہیر کی طرف منسوب مقامات بھی ہیں۔ مشہور صحابی رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک مسجد جو بہت خوبصورت اور دلربا مقام ہے۔ اس کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے یہ سفید گھنی ریش، چوڑا ماتھا خوبصورت سید فلسطینی نین و نقوش جانتے ہیں کون ہیں۔۔۔ یہ ہیں 76 سالہ مفتی اعظم فلسطین جناب محمد حسینی۔ علم و ادب، تقویٰ و نرم روئی کا مرقع۔ ہر آنے جانے والوں کو بذات خود گرمجوشی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ حال احوال پوچھتے ہیں یورپ سے آنے والوں کو کچھ زیادہ ملتے ہیں ان کیلئے دعائیں کرتے ہیں۔ خاندانی طور پر اس منصب پر فائز ہیں۔ ان کے خدام فوراً چائے کافی اور پھلوں سے تواضع کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کی بہت خوشی ہوئی کہ یورپ سے مسلمان آزادنہ آ جاسکتے ہیں۔ اسی احاطے میں دوسری جانب حضرت رابعہ بصری کا مقام ہے۔ لیکن یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ یہ جگہیں ان کی طرف کیوں منسوب ہیں؟ کیا ان کی قبور یہاں ہیں یا وہ یہاں وزٹ کیلئے تشریف لائے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا تھا حتمی طور پر کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ مسجد بہت خوبصورت ہے۔ وہاں جب ہمارا قافلہ پہنچا تو بیت المقدس کے مفتی بھی موجود تھے، ان کے اہتمام سے اہل قافلہ کو چائے، کافی اور فروٹ پیش کیے گئے۔ وہاں موجود گارڈز کا حسن سلوک خوبصورت مسجد، مبارک علاقہ، بابرکت پہاڑ اور بلندی سے یروشلم کا نظارہ اور قبۃ الصخراء کا چمکتا گنبد عجیب احساسات پیدا کر رہا تھا۔ حضرت رابعہ بصریہ کی طرف بے شمار روایات منسوب کی جاتی ہیں۔ ان ساری روایات کا صرف ایک ہی منبع ہے فرید الدین عطار کی روایات۔ اس خاتون کو بڑا حسین بھی کہاجاتا ہے اور اللہ کی ولیہ اور آدھی قلندر بھی۔ حقیقت کیا ہے کچھ معلوم نہیں اوران کی طرف منسوب روایات کی سچائی یا جھوٹ کا کوئی معیار نہیں ہے۔ ہم جبل زیتون کے اس رخ پر کھڑے تھے جہاں سے یروشلم کا قدیم شہر اپنی گود میں قبہ صخراء لیے ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد کرنوں میں جھلملا تا نظر آرہا تھا۔ اہل فلسطین کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فخر سے کہیں کہ یہ دنیا کی خوبصورت ترین عمارت ہے۔

جمعرات، 13 جولائی، 2017 / شوال، 19

کنیسۃ القیامہ، مسجد عمر، محراب داؤد وغیرہ کا وزٹ

نماز تہجد کیلئے حسب معمول ہم بیت المقدس چلے گئے۔ آج امام یوسف صاحب نے فجر کی جماعت کرائی۔ نماز کے بعد ان سے ملاقات اور تعارف ہوا۔ انہوں نے بھی مولاناعبد الہادی کی خیریت دریافت کی۔ کافی پرانی یادیں تازہ کیں۔ نماز کے بعد وہ باہر تک آئے ہم نے مغرب کی جانب منہ کر کے تصاویر بنائیں کہ پیچھے سے قبۃ الصخراء نظر آ رہا تھا۔ ہم اشراق تک مسجد میں تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے۔ واپس ہوٹل پہنچ کر ناشتہ کیا اور کچھ دیر کیلئے آرام کیا۔ پھر چل پھر کر اس علاقے کو دیکھا اور فلسطینی بھائیوں سے میل ملاقات کی۔ ایک گروسری شاپ سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں خریدیں۔ بارہ بجے واپس ہوٹل پہنچا تو ساتھی نمازِ ظہر کیلئے مسجد اقصی جانے کیلئے پابرکاب تھے۔ نماز ظہر کے لیے ہم باب دمشق سے یروشلم شہر میں داخل ہوئے۔ چکنے پتھروں سے بنے ہوئے چلتے چلتے ہم باب الناظر سے مسجد اقصی میں داخل ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ وضو کی حاجت ہوئی تو باب السلسلہ کی طرف گئے، دروازے کی بائیں جانب ٹوائلٹ تھے، ان کا بھی وہی حال تھا جو باب حطہ کے ٹوائلٹوں بلکہ عموماً ہمارے ہاں کی ٹوائلٹوں کا ہوتا ہے۔ نہ صابن، نہ ٹوائلٹ پیپر اور نہ کوئی تولیہ، میں نے باہر بنی ہوئی دوکانوں سے کچھ خریداری کی۔ چند چیزیں وہاں رکھ دیں اور وضو بنا کر باہر آئے۔ ہماری خواتین تو بی بی مریم کے گھر جو بالکل ساتھ ہی تھا وہاں چلی گئیں اور ہم کچھ دیر وہاں رکے اور صحن گنبد صخراء کے پلیٹ فارم میں موجود تاریخی کتبات دیکھتے رہے۔ بڑا عجیب سا احساس ہو رہا تھا کہ اس جگہ پر صدیوں سے تاریخ کا پہرہ ہے۔

مولانا محمد علی جوہر کی قبر

کل سے سوچ رہا تھا کہ مسجد اقصی میں تحریک آزادی ہند کے عظیم رہنما مولانا محمد علی جوہر کی قبر بھی ہے لیکن وہ کس قبرستان میں ہوگی۔ یہ معلوم کرنا پڑے گا لیکن یہ کیا ہوا؟ باب السلسلہ کے بائیں جانب بنے برآمدوں میں چلتے چلتے اچانک نظر پڑی تو وہاں لکھا ہوا دکھائی دیا۔ هذا الضريح المبارك المجاهد الهندی الكبير مولانا محمد علی جوهر تغمده الله برحمته (یہ قبر مبارک ہند کے بڑے مجاہد مولانا محمد علی جوہر کی ہے۔ اللہ کی رحمت ان پر سایہ فگن رہے) دل اچانک اس انکشاف پر باغ باغ ہو گیا۔ جالی کے دونوں طرف چند اور مدفونین کے نام بھی درج تھے جن میں الحسینی خاندان کی چند شخصیتیں شامل تھیں جالی میں سے جھانکا تو تین چار قبریں نظر آئیں۔ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی۔ غالباً یہی قبرستان مرلا تھا جہاں چند سال قبل تک فوت شدگان کی تدفین ہوتی رہی۔ روایت کے مطابق 1930ء میں مولانا محمد علی جوہر اپنے بھائی

شوکت علی کے ہمراہ لندن آئے ہوئے تھے۔ شوگر کی بیماری نے جسم کھوکھلا کر رکھا تھا۔ 4/ جنوری 1931ء کو وہیں وفات پائی مگر وصیت کر گئے کہ انہیں غلام ہندوستان میں نہیں بیت المقدس میں سپرد خاک کیا جائے۔ معلوم نہیں کس طرح ان کا جسد خاکی فلسطین لایا گیا ہو گا اور کیسے تدفین کی گئی ہو گی؟ اللہ تعالیٰ اس بطل جلیل کو آخرت میں اپنی فیاضیوں سے نوازے۔ علامہ اقبال کیا خوب کہہ گئے ہیں۔

خاک قدس او را بآغوش تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زآں راہ پیغمبر گزشت

چند قدم اور آگے بڑھے تو ایک بڑا اور کتبہ نظر آیا۔ یہ شاہ حسین مرحوم کے دادا عبداللہ بن حسین بن علی کا مدفن تھا وہ عبداللہ بن حسین جنہوں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر القدس کے آخری محافظین یعنی سلطنت عثمانیہ کے خلاف شورش میں حصہ لیا۔ عرب مورخین کہتے ہیں کہ امیر عبداللہ انگریزوں سے دھوکہ کھا گئے۔ ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ عثمانی سلطنت کے ختم ہوتے ہی سرزمین شام، فلسطین اور عراق عربوں کے حوالے کر دی جائے گی لیکن اندرون خانہ یہود سے بھی وعدہ کر لیا کہ انہیں فلسطین کی حکومت ملے گی۔ یہود کے ساتھ وعدہ پورا کیا گیا لیکن عربوں کو شرق اردن تک محدود کر دیا گیا۔

اہل فلسطین امیر عبداللہ کی سیاست سے خوش نہیں تھے۔ اس لیے ایک فلسطینی نے مسجد کے احاطے میں امیر عبداللہ کو اپنے خنجر سے گھائل کر کے مغربی دیوار سے متصل قبرستان میں پہنچا دیا۔ عربوں کی بغاوت میں اس بے چینی کا بھی دخل تھا کہ جو سلطان عبدالحمید کے ہٹائے جانے اور پھر کمال اتاترک کی قیادت میں ترک قومیت کے احیا اور عرب رعیت کے ساتھ مخاصمانہ رویے کی بنا پر پیدا ہو چکی تھی۔ بہر حال عربوں کی یہ بغاوت اہل فلسطین کے لیے مصائب و آلام کی ایک طویل رات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مغربی دیوار کا آخری دروازہ باب القوامہ ہے اور اس سے قبل باب الناظر جس سے ہم داخل ہو کر نماز کیلئے آئے تھے۔

جمعہ، 14 جولائی، 2017ء/ 20 شوال، 1438ھ، مسجد اقصیٰ بند کر دی گئی

معمول کے مطابق ہمارا قافلہ صبح تین بجے تہجد کے لیے مسجد اقصیٰ چلا جاتا ہے اور اشراق پڑھ کر واپس آتا ہے لیکن آج شومئی قسمت کہ میری طبیعت کل کی تھکاوٹ کی وجہ سے اس قابل نہ ہو سکی کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد جا سکتا اس لیے معذرت کر لی اور یہ بھی خیال تھا کہ آج جمعہ ہے۔ جس کیلئے ہمیں بھرپور تیاری کرنا ہے۔ تاکہ دس گیارہ بجے ہم مسجد اقصیٰ پہنچ جائیں ورنہ وہاں جگہ نہیں ملتی۔ 9 بجے ہم ہوٹل میں ناشتہ کر رہے تھے کہ ٹی وی پر خبر چلنا شروع ہو گئی کہ مسجد اقصی میں فائرنگ ہو گئی ہے۔ جس کے نتیجے میں تین فلسطینی نوجوان شہید کر دیے گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، پھر خبر آئی کہ مسجد اقصی بند کر دی گئی ہے اور جمعہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر تسلسل کے ساتھ یہ خبر اپ ڈیٹ ہوتی رہی۔ جو ساتھی صبح تہجد کیلئے گئے تھے انہوں نے بتایا کہ ہم 7 بج کر 10 منٹ پر مسجد سے نکلے جبکہ فائرنگ 7.25 پر ہوئی یعنی 15 منٹ کے بعد یہ حادثہ فاجعہ ہو گیا۔ مسجد اقصیٰ جانے والے سب دروازے بند کر دیے گئے ہیں* کیونکہ نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے اردن اور دیگر ساتھ والے ممالک سے بھی لوگ پہنچتے ہیں۔ اس لیے یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو مکمل بند کر دیا کہ کوئی بھی شخص مسجد میں داخل نہ ہو سکے ورنہ وہاں احتجاج ہو سکتا ہے۔ چونکہ شہر کا دروازہ (ہیروڈیس گیٹ) ہمارا سب سے قریبی دروازہ ہے ہم نکلے تاکہ صورتحال دیکھ سکیں لیکن بلدیہ اور پولیس تھانہ جو ہمارے ہوٹل سے تین چار منٹ دور ہے وہاں اسرائیلی فوجی تعینات تھے انہوں نے ہمیں وہیں روک لیا اور واپس جانے پر مجبور کیا۔ چاروں طرف سے لوگ وہاں پہنچ رہے تھے۔ ہم واپس ہوٹل آ گئے کہ اب یہیں جمعہ ادا کریں گے۔ فرسٹ فلور میں ڈاکٹر کی سرجری میں کارپٹ بچھے ہوئے تھے۔ سب ساتھی وہاں جمع ہو گئے اور راقم نے خطبہ دیا۔ اس قدر افسوس ہوا کہ ایک ہی جمعہ مسجد اقصیٰ میں ادا کرنا تھا اور وہ بھی ادا نہ کر سکے۔ لیکن راضی برضا رہے کہ دوگنا ثواب تو مل ہی جائے گا۔ دوران خطبہ مزید دو ساتھی لندن سے پہنچ آئے یہ ہمارے ہی قافلے کے لوگ تھے لیکن انہیں تو بالکل ہی مسجد دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔

جمعہ کے بعد مفتی اعظم فلسطین کی گرفتاری کی خبر آ گئی انہوں نے پولیس تھانہ کے سامنے پہنچ کر احتجاج کیا، انہیں شہر میں داخل نہ ہونے دیا گیا تو انہوں نے وہیں خطبہ دینا شروع کر دیا۔ اردگرد کے لوگ جمع ہوتے گئے۔ نماز جمعہ کے بعد اسرائیلی فورسز نے نمازیوں پر دھاوا بول دیا مفتی اعظم کو گرفتار کر کے لے گئے۔ لیکن احتجاج کسی طرح رکنے میں نہیں آ رہا تھا۔ عصر و مغرب وعشاء سبھی نمازیں وہیں ادا کیں۔ 1969 کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسجد اقصیٰ میں جمعہ ادا نہیں کرنے دیا گیا۔ بلکہ دو دن مسجد اقصی کو بند کر دیا گیا۔ نہ کسی امام کو داخل ہونے دیا گیا اور نہ کسی نمازی کو۔ یوں یہ مسجد انبیاء نماز و اذان کے بغیر مسلمانوں کی حالت زار پر نوحہ کناں رہی۔۔

ہفتہ، 15 جولائی، 2017ء/ 21 شوال، 1438ھ

الخلیل، بیت اللحم ۔سدوم کا علاقہ، اور اریحا کا وزٹ

آج بھی نماز ہم نے فرسٹ فلور پر پڑھی۔ مختصر درس دیا۔ ساڑھے سات ناشتہ کیا۔ پھر ڈرائیور کا انتظار کیا۔ وہ گیارہ بجے آیا کیونکہ یہود نے راستے بند کیے ہوئے تھے۔ سوا گیارہ وہاں سے نکلے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کی قبر

یروشلم میں جبل زیتون کو عبور کریں تو راستے میں واقع قبرستان میں حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ حضرت راحیل (Rachel) کا مزار اقدس کا سائن نظر آیا۔ اور اس سڑک کا نام بھی 'شارع راحیل'

ہے ۔ چونکہ حضرت راحیل کے نام سے کوئی بھی واقف نہ تھا حتیٰ کہ فلسطینی ڈرائیور بھی نہیں جانتا تھا۔ گاڑی بھی تیزی میں نکل گئی اس لیے میں نے مختصر تعارف کرایا۔ فلسطین کے پرانے نقشے کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں بٹ گئے، یہ بنی بن یامین کا علاقہ ہے، جہاں حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت بنیامین کی والدہ دفن ہیں اور اس کے بعد بنی افرائیم کا علاقہ ہے۔ جہاں حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت یوسف اور حضرت ایوب علیہم السلام کی قبور مطہرہ ہیں۔ یروشلم سے باہر نکلیں تو مغربی کنارے کو جاتے ہوئے راستے میں پہاڑوں کے درمیان ایک علاقہ ہے جہاں مسجد یونس یا مقام یونس علیہ السلام موجود ہے۔

مقام یونس علیہ السلام

ریاست فلسطین کے زیر انتظام ایک شہر ہے حل حلول۔ حل کا معنی اترنا اور حلول کا معنی Salostion جن دونوں کو اکٹھا پڑھا جائے تو معنیٰ بنتا ہے جہاں ایک سال تک حضرت یونس علیہ السلام قیام فرما رہے۔ ہم مقام یونس پر گئے۔ وہاں ہماری گاڑی رکی ہی تھی کہ ایک فلسطینی نوجوانوں کی ٹولی نے ہماری ویگن پر دھاوا بول دیا۔ پہلے تو ہمارے دل میں ترس تھا اور اپنے ساتھ کچھ رقم لے کر گئے تھے کہ وہاں مستحقین میں بانٹی جائے گی۔ لیکن یہاں نوجوانوں کا معاملہ دیکھ کر تو ہمیں اپنی جان چھڑانا مشکل ہو گیا۔ عصمی یا اس طرح کا اس نے نام بتایا عمر یہی کوئی اٹھارہ انیس سال بہت ہی خوبصورت شکل کا مالک، بتا رہا تھا میرے والد کو کینسر ہے یا شہید کر دیا گیا تھا۔ مجھے اس کے علاج کیلئے پیسے چاہئیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں اس سے پتہ پوچھوں ہسپتال کا نام پوچھوں اور کو دو وزٹ کر کے ان کے ساتھ تعاون کروں لیکن اس نوجوان کی ایک ہی رٹ تھی مجھے کچھ دو۔ باقی چھوٹے بڑے تو ہماری خاموشی کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے اور یہ وضو خانے تک ساتھ گیا۔ میں اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے کچھ دینا چاہتا تھا لیکن یہ ایک لمحے کیلئے بھی مجھے اکیلا نہ ہونے دے رہا تھا۔ باتھ روم میں داخل ہو کر کنڈی لگائی اور جیب سے کچھ رقم ان سب کیلئے الگ کر لی کہ اگر اس کے سامنے جیب کھولی تو یہ مجھ سے سارے پیسے چھین لے گا۔ باہر نکلا تو وہ ابھی تک تاڑ لگا کر کھڑا تھا۔ سامنے آفتاب بھی نظر آئے میں انہیں اشارے سے پاس بلایا اور انہیں وہ رقم دی کہ آفتاب بھائی ان لوگوں میں یہ رقم تقسیم کر دیں۔ انہوں نے جس طریقے سے اس ٹولی سے جان چھڑائی انہی کا جگرا تھا وہ بہت ناراض ہو رہے تھے۔ میں نے کہا آفتاب بھائی ان کی طرف نہ دیکھو اپنی طرف دیکھو اللہ کے احسانات کا احساس کرو۔ ان نوجوانوں کی مجبوری ہے۔ یہودیوں نے انہیں ارض وطن میں اجنبی بنا کر رکھا ہے۔ ان کیلئے کوئی کاروبار نہیں ہے۔ کوئی ملازمتیں نہیں ہیں۔ یہ کہاں سے کھائیں ؟اسی مجبوری ومعذوری میں ان بچوں نے آنکھ کھولی اور اسی میں پرورش پائی ہے وہ بولے حافظ صاحب پہلے پہل تو واقعی مجبوری ہو گی لیکن اب تو ان کی عادت بن گئی ہے ۔ میں نے کہا اس کا بڑا سبب اہل فلسطین کا اپنے وطن میں مجبور کر دیا جانا ہے اور بس اسے زیادہ ہم سوچ نہیں سکتے۔

اس سے بھی زیادہ تشویشناک صورتحال کا سامنا ہمیں ''جبرون الخلیل'' میں کرنا پڑا جہاں خوبصورت فلسطینی نوجوانوں نے ہماری وین کو پیٹنا شروع کر دیا ڈرائیور نے بڑی پھرتی کے ساتھ ان کے نرغے سے گاڑی نکالی ۔اسی طرح ایک بارہ سالہ بچہ حبرون میں ہمارے پیچھے پڑا رہا اسرائیلی فوجیوں کو کوستا رہا ذرا بھی ڈر نہیں تھا اس کے دیدوں میں۔ مجھے تو کئی بار خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں اشتعال میں آکر یہ فوجی اس کو برسٹ ہی نہ مار دیں۔ لیکن ان بچوں کے دیدوں میں موت کا ذرا بھی خوف نظر نہ آیا۔ مقام یونس پر اب خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے۔ ہم نے وہاں دو رکعت پڑھیں۔ وضو بنا کر ہم مسجد میں چلے گئے وہاں موجود خطیب نے ہمارے قافلے کو دیکھ کر مقام یونس کا پس منظر سمجھانا شروع کر دیا کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اس علاقے میں پورا سال قیام پذیر رہے (یافہ کے مقام پر جو یہاں سے چالیس کلو میٹر دور ہے۔ البحر الابیض المتوسط (یا میڈیٹیرین سی) میں مچھلی کے پیٹ میں سے نکلے تھے۔ وہاں سے نکل کر وہ یہاں تشریف لائے اور اس مقام پر پورا سال قیام پذیر رہے۔ اسی لیے اس شہر کو حل حلول کہا جاتا ہے۔ ان کی جائے قیام یا ان کی بیٹھک کا نشان بنا ہوا ہے۔ اور اس پر لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ، بڑی خوبصورت گرافک کی گئی ہے۔

میں نے شیخ عصام کو بطور تحفہ کچھ دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا آپ ہماری مدد کرنا چاہتے ہیں ؟ عرض کیا۔ بالکل۔ کہا آپ واپس برطانیہ جا کر سارے مسلم بھائیوں کو ہمارا سلام کہیں اور ہمارا پیغام بھی دیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہاں آئیں اور فلسطینیوں کی مشکلات کو خود دیکھیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ باہر سے آکر قبلہ اول کی زیارت کر سکتے ہیں، ہم جو یہاں کے پیدائشی ہیں ہم وہاں نہیں جا سکتے ۔ میں نے 1991 سے اب تک قدس الشریف نہیں دیکھا ۔ مجھے کیا کسی کو بھی جانے نہیں دیا جاتا۔ انہوں نے اپنے گھر چلنے کی دعوت بھی دی۔ میں دل و جان سے حاضر تھا لیکن پورا قافلہ ساتھ اور ٹائم بہت محدود، اس لیے بادل نخواستہ اجازت لی۔ اور معانقہ کیا، افسردہ دل وہ بھی تھے اور میں بھی۔ پتہ نہیں اب دوبارہ زندگی میں اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات ہوتی ہے یا نہیں۔ مسجد سے نکلتے ہوئے ایک ڈونیشن بکس نظر آیا میں نے چپکے سے پچاس شیکل اس میں ڈال دیے۔

(جاری ہے۔)